قواعدِ صرف کی تحقیقات پر ذہن و دماغ کو چونکا دینے والی اپنی کتاب

مکمل و مدلل

حل مشکلات الصرف

۱

جس میں ابتدا سے بحث نہی تک صرفی قواعد کے حیرت انگیز اسرار و نکات، مشکلات و نوادرات محققانہ کلام کیا گیا ہے

جمع و ترتیب

مولانا محمد ہارون ثاقب القاسمی بھاگلپوری

استاذ دار العلوم محمدیہ میل کھیڑلا بھرت پور

دار الاشاعت دیوبند

قواعدِ صرف کی تحقیقات پر ذہن و دماغ کو چونکا دینے والی البیلی کتاب

مکمّل و مُدلّل

حلّ مُشکلاتِ الصَّرف

جلد اوّل

جس میں ابتدا سے بحث نہی تک صرفی قواعد کے حیرت انگیز اسرار و نکات، مشکلات و نوادرات پر محقّقانہ کلام کیا گیا ہے

جمع و ترتیب

مولانا محمّد ہارون ثاقبؔ القاسمی بھاگلپوری

اُستاذ دار العُلوم مُحمّدیہ میل کھیڑلا بھرتپور

دار الاشاعت دیوبند

نام کتاب	:	حل مشکلات الصرف مکمل، مدلل، مفصل
مؤلف	:	محمد ہارون ثاقب قاسمی دریاپوری
کتابت	:	فرحت علی سہسوانی
اشاعت	:	اگست ۲۰۰۶ء
مطبع	:	سٹی پرنٹ دہلی
قیمت	:	اسّی روپے (Rs.80/=)
ناشر	:	دارالاشاعت دیوبند 247554 یوپی

ملنے کے پتے:

☆ دارالاشاعت دیوبند یوپی

کتب خانہ حسینیہ دیوبند یوپی

لتب خانہ نعیمیہ دیوبند یوپی

رالکتاب دیوبند یوپی

ارالعلوم محمدیہ، میل کھیڑلا بھرت پور، راجستھان

ناشر

DAR-UL-ISHA'AT DEOBAND (U.P.)

Ph.(Off) : 01336-223266

Ph.(Res) : 01336-222469

Fax : 01336-223266

Mob. : 09359210244

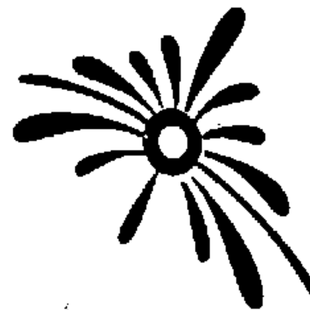
انتساب

❁ علم صرف کے مدوّن اوّل ابو عثمان مازنی کے نام
جنہوں نے صرف کو فن نحو سے علیحدہ کر کے مستقل ایک فن قرار دیا۔

❁ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ
کا مصداق مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے نام
جس کے جلوخانہ میں بیشمار محققین و مؤرخین، مصنفین و مؤلفین جنم لیتے ہیں!

❁ مشفق والدین اطال اللہ عمرھما کے نام
جو دس، بیس، تیس پیسے میں بہلا پھسلا کر قاعدہ بغدادی پڑھنے کیلئے گاؤں کے مکتب میں بھیجتے رہے۔ بالآخر بفضل اللہ فیض یافتگان دارالعلوم دیوبند میں شامل ہو کر آج اس لائق ہوا۔

ثاقب القاسمی دریاپوری



فہرست مضامین

تقریظ

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی استاذ دار العلوم دیوبند

Mujibullah Gondvi
Ustad-e-Darul Uloom Deoband
U.P. 247554 India



مجیب اللہ گونڈوی
استاذ دار العلوم دیوبند (یوپی)

تاریخ ۲۹ رجب ۱۴۲۰ مراسلہ نمبر ....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

برادر عزیز جناب مولوی محمد ہارون ثاقب بھاگلپوری دار العلوم کے محنتی اور ہونہار فضلاء میں سے ہیں۔ لکھنے کا ذوق زمانۂ طالب علمی سے ہے۔ علم نحو کے اسرار و نکات پر عزیز موصوف کی ایک کتاب "عمدۃ التحقیقات" کے نام سے طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔ اب یہ دوسری کتاب علم صرف کے اسرار و نکات پر "مشکلات الصرف" کے نام سے باصرہ نواز ہوئی۔ میں نے مسودہ کا مختلف مقامات سے بغور مطالعہ کیا۔ کتاب اسم بامسمیٰ ہے اور طلباء و اساتذہ سب کے لئے مفید ہے۔

اللہ تعالیٰ کتاب ھٰذا کو قبولِ عام عطا فرمائے اور عزیز موصوف کو علم دین کی خدمت کی مزید توفیق ارزان فرمائے۔ آمین

مجیب اللہ
خادم تدریس
دار العلوم دیوبند
۲۹ رجب ۱۴۲۰

تاثرات

حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی اسسٹنٹ سکریٹری ملی کونسل دہلی

ALL INDIA MILLI COUNCIL

آل انڈیا ملی کونسل

आल इन्डिया मिल्ली काउंसिल

Date ..... [illegible] دسمبر ۱۹۹۹ء

Ref. ....

زیر نظر کتاب "مشکلات الصرف" کو جستہ جستہ پڑھا۔ بے حد خوشی ہوئی کہ باصلاحیت، ہونہار اور تحریری ذوق کے حامل مولانا محمد [illegible] ثاقب صاحب [illegible] نے برجستہ و شگفتہ زبان میں فن صرف کے مسائل و مشکلات کو نہایت سادے الفاظ اور دلکش انداز میں حل کرکے علم صرف کے طالبین اور محبین کیلئے ایک بیش قیمت سرمایہ پیش کردیا ہے۔

میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس تالیف کو اور اس کی ترتیب کے دوران ان کی شب و روز کی محنت اور عرق ریزی کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس تصنیف و دیگر تصنیفات بالخصوص علم نحو کے اسرار و نکات پر ان کی مستند تصنیف "ثمرۃ التحقیقات" کو عوامی مقبولیت عطا کرے اور ان کیلئے صدقہ جاریہ بنادے۔

مخلص

(محمد اسرار الحق قاسمی)
اسسٹنٹ سکریٹری جنرل

161/32, Jogabai, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025 (India)
Phone: (011) 6820891 Fax: (011) 6841846
E-mail: aimcnd@giasdl01.vsnl.net.in
http://www.scaapindia.com

رائے گرامی

حضرت مولانا عمار احمد صاحب مہتمم مدرسہ افضل المعارف وصی آباد، الہ آباد

TELE / FAX (0532) 651224
AL JAMIATUL ARABIATUL ISLAMIA
AFZALUL MAARIF
WASIABAD ALLAHABAD U.P. (INDIA)



الجامعۃ العربیۃ الاسلامیۃ افضل المعارف

عزیز محترم محمد ہارون ثاقب قاسمی بھاگلپوری سلّمہٗ کی تصنیف عمدۃ التحقیقات سے لُطف اندوز ہونے کا موقع میسر آیا نیز موصوف کی دوسری تصنیف مشکلات الصرف کا مسودہ نظر سے گذرا جو صرف و نحو کے اسرار و نکات پر مشتمل ہے۔

بلاشبہ موصوف نے ان دونوں کتابوں میں بڑی جانفشانی و عرق ریزی سے طالبانِ علم و اہلِ مدارس کیلئے فنّی اسرار و نکات کا بیش بہا ذخیرہ وگرانقدر سرمایہ جمع کردیا ہے۔ یقیناً یہ دونوں کتابیں اہلِ علم کے لئے قابلِ قدر ہیں۔ احقر کو ان دونوں کتابوں سے دِلی مسرّت ہوئی اور مصنف کی محبّت اپنے قلب میں محسوس ہوئی۔

اور تہِ دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے۔ اور موصوف کی توجہ قرآن و حدیث کے اسرار و نکات پر مرکوز فرمائے اور ان کے قلب پر آیاتِ قرآنیہ اور ارشادات نبویّہ کے اسرار و حکم کے ابواب مفتوح فرما کر ان کو نورٌ علیٰ نور بنادے۔ آمین ثم آمین

والسلام
ناکارہ عمار احمد عفی عنہ
خادم جامعہ اسلامیہ افضل المعارف
وصی آباد الہ آباد

کلماتِ دُعائیہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مہتمم دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا

الحمدُ للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امّا بعد۔

راقم نے عزیز مکرم جناب مولانا مولوی محمد ہارون صاحب سلمہٗ

فاضل دارالعلوم دیوبند

استاذ جامعہ دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا ضلع بھرت پور۔ راجستھان

کی

پیشِ نظر کتاب کو مختلف مقامات سے دیکھا۔ میرے خیال میں یہ کتاب علم صرف کے مشکل مقامات کے حل میں معلم اور متعلم کے لئے یکساں مفید ہے۔ موصوف نے اس کی جمع وتالیف میں جس قدر محنت کی ہے مطالعہ کے بعد خود آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ اور بے ساختہ آپ کی زبانِ مبارک سے دُعائیہ کلمات نکلیں گے۔ میں بھی دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو بار آور فرمادیں۔ اور ان کی کدوکاوش کو قبول فرماکر اپنی شانِ عالی کے مطابق جزا عنایت فرمائے۔

این دُعا، از من واز جملہ جہان آمین باد

احقر

محمد قاسم غفرلہٗ

خادم جامعہ دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا

یکم جمادی الاول ۱۴۲۰ھ ہجری

مکتوبِ گرامی

جناب مفتی زین الاسلام قاسمی صاحب مدرسہ بیت المعارف الہ آباد

باسمہ تعالیٰ

عزیز القدر مولوی محمد ہارون ثاقب صاحب، زادکم اللہ تعالیٰ علماً و عرفاناً

السلامُ علیکم ورحمۃُ اللہ و برکاتہٗ

آپ کی تالیف لطیف "عمدۃ التحقیقات" کو مختلف جگہوں سے دیکھا، پڑھا پسند آئی آپ کی کاوش کی قدر ہوئی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ دوسری تالیف "حل مشکلات الصرف" کا مسودہ جگہ جگہ سے پڑھا۔ حوالوں کے ساتھ مشکلات کا حل کیا ہے۔ آپ کی عرق ریزی کو حق تعالیٰ قبول فرمائے ان شاء اللہ مفید کوشش ثابت ہوگی۔

علم نحو و صرف کی جو اہمیت عربی زبان میں ہے اس کے پیش نظر ہر دور میں علماء نے ان علوم کی طرف پوری توجہ فرمائی اور درس نظامی کے ابتدائی دو ۲ سال انہیں علوم میں پختگی کے لئے مختص کئے۔ مگر اس وقت مدارس میں اس کی طرف بہت کم توجہ دی جا رہی ہے جس کی وجہ سے علم نحو و صرف سے مناسبت کم ہوتی جا رہی ہے اور استعداد مطلوبہ میں بیّن نقص پیدا ہو رہا ہے۔

آپ نے اپنی ان دونوں تالیفات میں مصطلحات و نکات کو جس خوش اسلوبی سے قلم بند کیا ہے وہ قابل قدر کوشش ہے، اللہ تعالیٰ سعی کو مشکور فرمائے۔

فقط والسلام

خادم الطلبہ زین

۲ شعبان المعظم [illegible]

یہ کتاب

عصر حاضر میں جبکہ ہر ہر چیز کو تحقیق و تفتیش کی عینک لگاکر دیکھنے ان کے پوشیدہ و مضمر رموز و نکات کو پرکھنے، جملہ حقائق و دقائق کو طشت از بام کرنے قلوب و اذہان کے انجماد و سربستگی دور کرنے کی سعی بلیغ کی جارہی ہے وہ اہلِ فہم پر آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہے

ان سر آشفتہ سران تحقیق و تدقیق میں محترم مولانا ہارون صاحب ثاقبُ القاسمی کا نام نامی سر فہرست ہے جن کی دُنیائے علم و فن کی خارزار و دشوار گذار بادہ پیمائی و خارا شکنی کا زندہ و جاوید نمونہ یہ کتاب ہے جن میں فن صرف کے حوالہ سے کھٹکنے والے تمام اشکالات و وجوہات عقل و دماغ کو مختل کردینے والے سوالات فکر و نظر کو مضطرب و بے چین کر دینے والے اعتراضات از ابتدا تا بحث نہی امر آسان اور سلیس اردو میں حل کرنے کی تحقیقی و تنقیدی کوشش کی گئی ہے جو علم و فن میں پختگی کے آرزومند طلبا و اساتذہ کے لئے دولتِ درماں ہی نہیں بلکہ اپنے علم و فن کو جلا بخشنے فہم و تدبر کو نکھارنے کے لئے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

(مولانا) محمد الیاس بانکوی



کتابِ ہذا کی زندہ کہانی

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا ــــ وبعد !

کسی شیٔ کے منصۂ شہود پر لانے اور عدم سے وجود بخشنے میں مختلف اسباب وعلل محرکات و عوامل کارفرما ہوتے ہیں اور انہی کے تئیں مرتب ہونے والے ہمہ جہت اثرات ونتائج جودت وحسن کے معیار پر پہنچتے ہیں آپکے ہاتھوں "حل مشکلات الصرف" کی تالیف وترتیب کی ایک زندہ کہانی ہے جو تند وتیز وپریشان کن نہیں بلکہ جاں گداز دلسوز فکر انگیز وعبرت آمیز ہے کہ اپنے طبعی ذوق وفطری شوقِ کُتب بینی کے باعث دار العُلوم محمدیہ میل کھیڑلا کے مرکزی کُتب خانہ (LIBRARY) میں مکڑیوں کے جالے اور کتابوں پہ پڑی گرد ودھول صاف کر کے بغرض مطالعہ واستفادہ، انتخاب کتب کے پس وپیش اور عدم تصفیہ کی کشمکش کا شکار تھا کہ اسی اثناء میں عربی کے باشعور علم پرور، نکتہ سنج طالب علم کا متعلمانہ وتربیت یافتہ ہیئت ولبادہ میں ورود ہوا علیکُ سَلیکُ کے بعد قرآن مجید کی آیت شریفہ لَقَدْ آذَیتُمُوْنَا کی صرفی تحقیق کی بابت بزبان سائل گویا ہوا کہ" وہ صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کے آخر میں واؤ بھی ہے جبکہ صیغہ حاضر" نَصَرْتُمْ وضَرَبْتُمْ" وغیرہ میں صرف میم پر مکمل ہو جاتا ہے پھر اس میں حرفِ واؤ کیسا؟ اس مستفتی کے نومولود استفسار سے کافی متعجب ومتحیر رہا...... نتیجتاً کرم خوردہ کتابوں جو گرانقدر اثاثہ اور عشاقِ علوم کے لئے عظیم سرمایہ ہیں کی دُنیا کا گشت لگایا اور منتشر منتخب اوراق سے تسلی بخش ومسکت ومدلل جواب سپرد قلم کر کے حوالہ کر دیا سائل اس پیش کردہ جواب سے متأثر ہوا اور اپنے معمول کے مطابق نوشت وخواند کی منازل طے کرنے میں مصروف ہو گیا اس ماجرا نے میرے عقل ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور دل کے نہاں خانوں میں متنوع احساسات وخیالات وعلمی جذبات وتاثرات گھر کر گئے حتیٰ کہ اسی کشش و پنج میں کئی دن گزر گئے چند ایام بعد سوچ وفکر کی جمودیت برف کی طرح پگھل گئی اور شیشۂ قلوب پہ یہ بات نقش کالحجر ہو گئی کہ علم صرف کے دیگر مسائل وقواعد تحقیق وتدقیق طلب اور نکات آفریں ہیں جن پہ بلند ہمتی اور جواں فکری کے ساتھ مدلل وٹھوس کام کرنے، مطولات میں مدفون کنز وجواہر باہر لانے

اور معدن تحقیقات ونوادرات کو خوبصورت ولطیف پیرائے ونفیس اسلوب پر مشتمل آلۂ کار سے
کھودنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مصنف اس راہ کا اجنبی، پیچ وخم سے ناآشنا مسافر اس مشکل ترین وادی
کا سفر شروع کیا جو حقیقتًا سنسان اور راہ زنوں سے غیر محفوظ تھا۔ ہماری ہمت جواب دے چکی تھی لیکن ترجمان
اسلام علامہ اقبال کے اس وجد آفریں ابدی پیغام ۔ ؎

؎ مل ہی جائے گی کبھی منزل لیلیٰ اقبال ٭ کوئی دن اور ابھی بادیٔ پیمائی کر
نے ہمارے شکستہ ارادے کے کجاوہ کو مضبوطی سے باندھا پھر جرأت وبیباکی، شغف وانہماک واستقلال
کی فیاضی اور مصادر ومراجع کی فراہمی جیسے زادِ تصنیف کے سہارے چلتا رہا بالفضل اللہ وہ منزل
ہمرکاب ہوئی۔ راقم سطور کی لوحِ ذہن پر جو نکات وتحقیقات، مشکلات ونوادرات ثبت ہوئے جاگرہ
کر دیئے گئے: ؎ ہم نے اپنے آشیانے کے لئے ٭ جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے
نیز ان جرح وبحث عمیق مضامین دلچسپ نکتہ طرازیوں وتحقیقی موشگافیوں کو پردہ خفاء سے
نکالنے میں قابلِ اعتماد ومستند مآخذ کو ودیعت رکھا ہے تاہم بشری لغزشوں کے باعث تصحیح و
مراجعت تحقیق ووضاحت میں فروگذاشت نظر آنے پر حقائق سے مطلع فرمائیں مہربانی ہوگی ———
اس امرِ مہم کی تکمیل پر اخلاقی فریضہ ہے کہ ان حضرات کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے کتاب کا مطالعہ
کیا اور حوصلہ افزاء روشن تحریرات سے سرشار کیا۔ جن میں حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی،
حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب، استاذ محترم مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی استاذ
دار العلوم دیوبند وغیرہم کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔ عزیزانِ گرامی قدر مولوی سلیم احمد سوڑا کا وزیر احمد
گوڑگانوی قابلِ ستائش ہیں کہ انہوں نے قدرے فکر ومشغولیت سے ہمیں سبکدوش کیا
احکم الحاکمین اوّل الذکر حضرات کے سائے کو تادیر قائم رکھے اور ثانی الذکر کو دین کا داعی وشیدائی
اور علم وفن کا مثالی فرد بنائے۔ آمین

محمد ہارون ثاقب القاسمی
فاضل اتر پردیش لکھنؤ بورڈ
مدرس دار العلوم محمدیہ میل کھیڑلا بھرت پور
۱۶/۵/۱۴۲۲ھ، ۷/۸/۲۰۰۱ء

صرف کے اصطلاحی رموز وکنایات

رمز		مراد
عَعْ فاصلہ	سے مراد	باب نصر ینصر
عَعْ فاکہ	″ ″	ضرب یضرب
عِعْ کافہ	″ ″	سمع یسمع
عَعَ بفتحہما	″ ″	فتح یفتح
عُعُ بضمہما	″ ″	کرم یکرم
عِعِ بکسرہما	″ ″	عند الصراح حسب یحسب
شص	″ ″	شرح اصول
ج	″ ″	جاربردی
ظ	″ ″	نظامی
یح	″ ″	شرح غلام یحیٰی
ک	″ ″	رکاز الاصول
ن	″ ″	نوادر الاصول
الفوائد	″ ″	الفوائد الشافیہ
صد	″ ″	حاشیہ صادق کابلی
محرم۔م	″ ″	محرم آفندی
غایۃ	″ ″	غایۃ التحقیق
جامع	″ ″	جامع الغموض
الحدائق	″ ″	الحدائق الندیہ
کش	″ ″	کشاف اصطلاحات الفنون
کل	″ ″	کلیات ابی البقاء
رضہ	″ ″	شرح شافیہ یا کافیہ رضی
ہندی	″ ″	شرح ہندی

رمز		مراد
ق	سے مراد	قاموس اللغات
ص	″ ″	الصراح
م	″ ″	منتہی الارب
نف	″ ″	نفائس اللغات
غف	″ ″	حاشیہ عبد الغفور لاری تلمیذ ملا جامی
عصہ	″ ″	حاشیہ عصام الدین ″
عصمۃ۔عت	″ ″	حاشیہ عصمت اللہ بخاری
تک۔تکہ	″ ″	تکملہ عبد الحکیم سیالکوٹی
عل۔علوی	″ ″	حاشیہ شیخ وجیہ الدین علوی
حق	″ ″	حاشیہ نور الحق دہلوی
ت۔تش	″ ″	حاشیہ تاشکندی
رحمٰن۔عب	″ ″	حاشیہ عبد الرحمٰن اسفرائینی
جمال۔جم۔ج	″ ″	حاشیہ جمال الدین
حل۔ش	″ ″	حل شمس الدین
حل ع	″ ″	حل عبد الرحیم
۱۲	″ ″	لفظ حد کا عدد
ص	″ ″	صغیر
ک	″ ″	کبیر
ج	″ ″	شرح جلال الدین
ح	″ ″	شرح الحنفیہ
مکد	″ ″	مِن کُلِّ وَاحِدٍ
اھ	″ ″	انتہا

مبادیاتِ صرف



سوال صرف کے لغوی معنی مستند لغات کی رو سے بتلیئے؟

جواب باب ضرب سے صرف بالفتح وسکون الراء کے لغوی معنی پھیرنے، دفع کرنے، ہٹانے کے آتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی وصاحب غایۃ البیان لکھتے ہیں کہ صرف کے معنی ہیں کسی شئ کو ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب پھیرنا یا کسی چیز کو اپنے غیر سے بدلنا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے صَرَفْتُهٗ فَانْصَرَفَ میں نے اس کو بدلا پس وہ بدل گیا، اسی طرح علامہ سعید الشرتونی لکھتے ہیں کہ صَرَف باب ضرب سے رد کرنے، دفع کرنے اور روکنے کے معنی میں آتا ہے اسی سے ہے: مَا وَجَدْتُ عَنْهُ مَصْرَفًا علامہ ابن منظور صاحب لسان العرب ارقام فرماتے ہیں کہ صرف کے معنی پھیرنے، رد کرنے کے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ثُمَّ انْصَرَفُوْا پھر وہ لوگ لوٹ گئے صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو پھیر دیا۔ [۱]

سوال صرف کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب میر سید شریف جرجانی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علم صرف وہ علم ہے جس کے ذریعہ کلمہ کے احوال مِنْ حَيْثُ التَّعْلِيْلِ

---

[۱] اقرب الموارد ص ۶۴۴ ج ۱ لسان العرب ص ۳۲۸ ج ۷
مفردات اصفہانی ص ۲۸۲، غایۃ البیان ص ۲

معلوم ہوں۔ صاحب غایۃ البیان اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ جس کے ذریعہ اوزان کلمات اور عوارض حروف کی معرفت ہو۔ شیخ محمد اعلیٰ تھانویؒ کہتے ہیں کہ علم صرف (جسے علم تصریف بھی کہا جاتا ہے) ایسے اصول کا جاننا ہے جس سے کلمہ کے اوزان کی حالت کا علم ہو معرب و مبنی کی معرفت نہیں ھو علم باصول تعرف بھا احوال ابنیۃ الکلم التی لیست باعراب ولابناء ملا کاتب چلپی لکھتے ہیں کہ علم صرف وہ علم ہے جس سے باعتبار وضع شدہ مفردات کے اقسام انکے مدلولات نیز ان کی عمومی اصلی و موجودہ شکل کے ساتھ طریقہ تبدیل و تحویل کی مکمل معرفت ہو۔[۱]

سوال علم صرف کی غرض وغایت کیا ہے؟

جواب عربی کلام میں تصرفات کی غلطی سے ذہن کو محفوظ و مصون رکھنا![۲]

سوال اس علم کا موضوع کیا ہے؟

جواب صرف کلمہ ہے۔ چنانچہ صاحب غایۃ البیان قلمطراز ہیں کہ "موضوعش کلمہ است فقط من حیث الافراد۔ علامہ محمد اعلیٰ اس سلسلہ میں جاربردی کی شرح شافیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ فن صرف کا موضوع حروف وحرکات اور سکنات ہیں۔[۳]

سوال اس فن کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

جواب صرف کے معنیٰ چونکہ پھیرنے اور ایک حالت سے دوسری جانب بدلنے کے آتے ہیں چونکہ اس میں تصرفات و تغیرات زیادہ ہوتے ہیں اور یہی مبحث بھی ہے۔ اس لئے اسکو صرف کہتے ہیں۔

ہارون ثاقب

---

۱ کشف الظنون ص ۱۰۷۸ ج ۲ بیروت۔ کشاف اصطلاحات الفنون ص ۱۴ ج ۱ لاہور۔ کتاب التعریفات ص ۵۵ مصر۔ غایۃ البیان ص ۲

۲ دیکھئے۔ غایۃ البیان ص ۲، ۳ کشاف اصطلاحات الفنون ص ۱۶ ج ۱ لاہور، غایۃ البیان ص ۲

علم صرف کے واضع اور مدوّن اوّل

سوال تعریف وغایت بیان کرنے کے بعد تاریخی پہلو سے یہ بتائیں کہ علم صرف کے واضع اور مدون اوّل کون ہیں؟

جواب آپ نے کافی وسیع اور اہم سوال کیا ہے جس میں تفصیل درکار ہے لیکن طوالت کتاب کے خوف سے مختصر اور جامع گفتگو یہ ہے کہ علم صرف کے واضع شاگرد ابوالاسود دئلی ابو مُسلم معاذ بن مُسلم ہرّا کوفی نحوی متوفی ۱۸۷ھ ہیں۔ جو علم نحو کے جلیل القدر امام کِسائی متوفی ۱۸۰ھ کے استاذ تھے اور ابو عثمان بکر المازنی متوفی ۲۴۸ھ مدون اوّل ہیں۔ اس سے پہلے یہ الگ فن کی حیثیت سے مدوَّن نہیں تھا بلکہ علم نحو ہی میں اس کے مسائل ذکر کردیئے جاتے تھے۔ چنانچہ امام سیبویہ نحوی کی معروف و دیگر کتابوں سے مستغنی کردینے والی کتاب "الکتاب" میں "نحو" "صرف" دونوں گڈمڈ ہیں (راقم الحروف نے زمانۂ طالب علمی کے دوران دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ میں استفادہ کا شرف حاصل کیا ہے) پھر یکے بعد دیگرے یحییٰ بن زیاد فرا، دیلمی متوفی ۲۰۷ھ جیسے حضرات نے محنت شاقہ سے کام کیا جو آج موجودہ شکل میں موجود ہے[1]

علم صرف اور امام ابو حنیفہؒ

شیخ عبد القیوم حقانی معجم المطبوعات العربیہ کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ "علی العموم مشہور یہ ہے کہ فن صرف کے مدون اوّل ابو عثمان مازنی ہیں۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ فن صرف کے مدن اول ابو عثمان مازنی نہیں بلکہ ان سے بھی ایک صدی قبل امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں جو تدوین فقہ کے علاوہ علم صرف میں بھی ایک مستقل رسالہ مسمیٰ المقصود تصنیف کرچکے ہیں

---

[1] غایۃ البیان ص۲ مع اضافہ۔

تفصیل کے لئے دیکھئے احقر کی کتاب تاریخ نحو و نحویین۔

جو علم صرف کا نہایت جامع مختصر مگر واضح اور منضبط متن ہے۔ معجم المطبوعات میں اس کا ذکر تین جگہوں پر آیا ہے اور تینوں جگہ المقصود کو امام اعظم کی طرف منسوب کیا گیا ہے"! راقم الحروف کہتا ہے کہ المقصود نامی کتاب سے محض امام اعظم ابوحنیفہ کو مدون اوّل قرار دینا درست نہیں کیونکہ المقصود کتاب کے متن میں مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ مورخ کاتب چلپی المقصود نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اَلْمَقْصُوْدُ فِی التَّصْرِیْفِ اُخْتُلِفَ فِیْ مُؤَلِّفِہٖ فَقِیْلَ لِلْاِمَامِ الْاَعْظَمِ وَقِیْلَ لِغَیْرِہٖ" [1]

سوال فن صرف کی اہمیت وافادیت اور ضرورت پر مختصر روشنی ڈالئے؟

جواب اس سے متعلق حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مجموعہ "التبلیغ" سے ایک مضمون کا اقتباس نقل کرتے ہیں جو بہت جامع اور مفید ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "بعض دفعہ قاعدۂ صرف کے نہ جاننے سے اشکال پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ امریکہ میں ایک شخص کے دو۲ دل ہیں۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوا کہ یہ تو قرآن کے منافی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتا ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ

یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے اندر دو۲ دل نہیں بنائے۔

اس کا ایک جواب تو یہی ہے کہ اہلِ اخبار کی خبر کا اعتبار ہی کیا کسی نے اس کے پیٹ کو چیر کر تو نہیں دیکھا محض قیاس اور گمان سے یہ حکم لگا دیا ہے کہ اس شخص کے دو دل ہیں۔ سو ممکن ہے کہ اس شخص کا دل بہت بڑا ہو۔ اسلئے دو۲ دل ہونے کا شبہ ہو گیا یہ جواب تو اشکال کے عدم تسلیم کی صورت میں ہے اور بعدِ تسلیم جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں مَا جَعَلَ ماضی منفی کا صیغہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت تک خدا تعالیٰ نے کسی کے دو۲ دل نہیں بنائے اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ آئندہ

---

[1] امام اعظم کے حیرت انگیز واقعات ص۱۴۶

کشف الظنون۔ ج۲ ص۱۸۰۶۔ بیروت

بھی کسی کے دو۲ دل نہیں بنائیں گے۔ پس اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تب بھی قرآن مجید پر کوئی اشکال نہیں"۔[۱]

فائدہ: حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مذکورہ ملفوظات سے یہ بات اچھی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ فن صرف کی ضرورت کسی زمانے کے ساتھ مختص نہ تھی بلکہ دیگر علوم عربیہ کے لئے آج بھی جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے۔ ثاقب

صرفی قواعد سے متعلق حضرت علیؓ کی تحریر

شیخ احمد الحملاوی متوفی ۱۳۵۱ھ لکھتے ہیں ایک قول کے مطابق اس علم کے واضع حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ چنانچہ صرفی قواعد پر آپ کی ابتدائی تحریر یہ ہے: کُلُّ وَاوٍ اَوْ یَاءٍ تَحَرَّکَتْ وَانْفَتَحَ مَا قَبْلَهَا قُلِبَتْ اَلِفًا وَنَحْوُ اِذَا اجْتَمَعَتِ الْوَاوُ وَالْیَاءُ وَسَبَقَتْ اِحْدَاهُمَا بِالسُّکُوْنِ قُلِبَتِ الْوَاوُ یَاءً وَاُدْغِمَتْ فِی الْیَاءِ۔

شرعی حکم:

سوال اس علم کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب فرض کفایہ ہے۔ حُکْمُ الشَّارِعِ فِیْهِ الْوُجُوْبُ الْکِفَائِیُّ

ماخذ علم صرف:

سوال اس علم صرف کا ماخذ کیا ہے۔ محققانہ کلام فرمائیں۔

جواب یہ علم صرف قرآن مجید، احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور کلام عرب سے مستنبط و مستخرج ہے۔ اِسْتِمْدَادُهٗ مِنْ کَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَکَلَامِ رَسُوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَلَامِ الْعَرَبِ[۲]:

---

[۱] التبلیغ جلد ۷، ص ۱۹۰،۱۹۱

[۲] شذا العرف ص ۱۹ تا ۲۰

سوال اجناسِ علوم میں علم صرف کا کیا مقام ہے؟

جواب اس سلسلہ میں علامہ طاشکبری زادہ نے مفتاح السعادہ میں مفصل کلام کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ علوم کی دو قسمیں (۱) علوم اصلیہ (عالیہ) (۲) علوم فرعیہ (آلیہ) علم صرف علوم عالیہ میں سے ہے جس کا جاننا فرض کفایہ ہے۔ لیکن علوم عربیت میں مہارت وملکہ حاصل کرنے کے لئے ایک ضروری فن ہے۔[1]

فضیلت صرف پر حضرت عمرؓ کا قول

سوال اس فن کی شرف وفضیلت کیا ہے؟

جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تَعَلَّمُوا الْعَرَبِيَّةَ فَاِنَّهَا مِنْ دِيْنِكُمْ علوم عربیت کو سیکھو کیونکہ وہ دین کا ایک جزو ہے۔ چنانچہ فن صرف اقسام علوم عربیت کی پہلی قسم ہے اور آج بھی اس کی اہمیت مُسلّم الثبوت ہے۔[2]

سوال اس فن پہ لکھی گئی متاخرین حضرات کی کتابوں کا تعارف کرائیں۔

جواب اس موضوع پر بے شمار کتابیں تاریخ کے صفحات میں ملتی ہیں جن میں سے اکثر نایاب ہوگئیں اور کچھ متداول ہیں۔ چنانچہ مورخ کاتب چلپی اپنی تصنیف کشف الظنون میں تحریر فرماتے ہیں۔

اساس الصرف	عقود الزواهر	النجاح
الباسط شرح التصريف	عقود الجواهر	نغزك
البيان فى معرفة الاوزان	القصارى	الهارونية
تصريف مازنى	لامية الافعال	زنجانى
تصريف ملوكى	المقصود	الشافيه
تصريف افعال	مراح الارواح	العزى
جامع الصرف	المضبوط	منازل الابنية
	نزهة الطرف	المطلوب[3]

[1] و [2] تفصیل کے لئے دیکھئے مفتاح السعادہ۔ حیدرآباد　[3] کشف الظنون ج۲ ص۱۰۲۸

سوال علمِ صرف ہندوستان کس طرح آیا؟

جواب دیگر علوم وفنون کی طرح علم صرف بھی ہندستان آیا اس کی شکل یہ ہوئی ہے کہ اسلام کی نشر واشاعت دن بدن تدریجا ہوتی رہی اور علوم وفنون عبرانی زبانوں سے منتقل ہونے لگے حتیٰ کہ جب عرب کا قافلہ سب سے پہلے ماوراءالنہر کے راستہ سے ہندوستان پہنچا تو چونکہ ان علومِ وفنون کے متبحر اس قافلہ میں موجود تھے اس طرح یہاں بھی اس فن کو وسعت ملی اور روز بروز اس کی اشاعت میں اضافہ ہونے لگا۔ [1]

اوزان کے نکات

سوال صرفیوں نے وزن کے لئے کلمہ فا عین۔ لام یعنی فَعَلَ یَفْعَلُ ہی کو کیوں خاص کیا جعل یا دوسرا لفظ ضَرَبَ، سَمِعَ وغیرہ کیوں نہیں استعمال کیا؟

جواب منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ مخرج سے تعلق رکھتا ہے اور مخارج تین قسم کے ہوتے ہیں۔ مبدأ، وسطی، منتھیٰ۔ لہٰذا صرفین نے وضع کرتے وقت وزن کے صیغوں میں تینوں قسموں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مبداء میں سے عین کلمہ کو لیا کیونکہ یہ حلق سے نکلتا ہے اور حلق مبداء مخارج ہے اور وسطیٰ سے لام کو لیا کیونکہ یہ وسط مخرج سے ظاہر ہوتا ہے اور مخرجِ منتھیٰ سے فا کلمہ کو لیا کیونکہ یہ شفت (ہونٹ) سے نکلتا ہے جو کہ مُنْتَھی المخارج ہے۔ [2]

سوال آپ نے حلق کو مبداء مخارج اور ہونٹ منتھیٰ مخارج کیسے قرار دیا جبکہ ہونٹ مبداء مخارج ہونا چاہیئے کیونکہ ہونٹ پہلے ہے حلق بعد میں اس کی توجیہ کریں۔؟

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ نحو ونحویین، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند

[2] الحنفیہ ص۱۳، حاشیۂ فلاح ص۱۰ تبیان ص۱۰ حاشیۂ مراح الارواح ص۹

جواب مخارج کا تقاضا تو وہی تھا جو آپ نے فرمایا لیکن چونکہ حروف آواز سے بنتے ہیں اور آواز کا مادہ اور اس کی اصل وہ "ہوا" ہے جو انسان کے اندر سے نکلتی ہے اس لئے مخارج کو حلق سے شروع کرتے ہوئے ہونٹوں کے ابتدائی حصہ پر ختم کیا۔ (یعنی حلق کو مبداء مخارج اور ہونٹ کو منتہٰی مخارج قرار دیا۔) جس میں جمہور (قراء) کی پیروی ہے۔[1]

سوال چلئے ہم نے حلق کو مبداء مخارج اور ہونٹ کو منتہٰی مخارج مان لیا لیکن اشکال پھر بھی رہ جاتا ہے کہ حروفِ حلق و شفت (ہونٹ) اور وسط فاء، عین اور لام کے علاوہ اور بھی ہیں تو ان ہی حروف کو کیوں استعمال کیا دوسرے حروف قابلِ ترک کیوں ہوئے؟

جواب آپ کا سوچنا بہت صحیح ہے لیکن ایسا نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ فاء عین اور لام کے باہم ملانے سے ایسا کلمہ بنتا ہے جو تمام افعال کے معانی پر مشتمل ہوتا ہے. مثلاً جب کسی نے کہا اَکَلَ تو اس کے معنی ہوئے فَعَلَ فِعْلَ الْاَکْلِ یعنی کھانے کا کام کیا اور جب کہا قَتَلَ تو اس کے معنی ہوئے فَعَلَ فِعْلَ الْقَتْلِ یعنی قتل کا کام انجام دیا۔ اسی طرح جب کسی نے کہا نَامَ تو اس کے معنی ہوئے فَعَلَ فِعْلَ النَّوْمِ یعنی نیند کا کام کیا وغیرہ۔ لہٰذا فاء عین لام کو اختیار کرنے اور تعیین اوزان میں مفید ہونے کی بناء پر ان کو متعین کیا۔[2]

سوال لفظ عَمِلَ وَعَلِمَ میں تینوں مخارج موجود ہیں اور معانی افعال بھی ہیں پھر بھی ان دونوں لفظوں کو کیوں نہیں اختیار کیا؟

جواب مخارج تو موجود ہیں لیکن تمام معانیٔ افعال کو مشتمل نہیں کیونکہ کلمہ

---

[1] النفحۃ العنبریہ ص۱۳۳ تا ۱۳۴

[2] حاشیۂ فلاح ص۱۰ الحنفیہ ص۱۳، حاشیۂ مراح ص۹ ہندو پریس

عَمِلَ افعال ظاہرہ کے ساتھ مخصوص ہے اور کلمہ عَلِمَ افعال باطنہ کے ساتھ مختص جبکہ کلمہ فَعَلَ افعال ظاہری و باطنی دونوں کو عام ہے۔ اس لئے وزن کیلئے فَعَلَ کو اختیار کیا اور دیگر لفظوں سے اجتناب کیا۔ [1]

سوال فاء عین اور لام میں خاص ترتیب فَعَلَ کو کیوں اپنایا جبکہ ان حروف کی ترتیب مبدا، مخارج حلق کی جانب سے عَلَفَ ہو سکتی تھی کیونکہ عین کلمہ حلق اور لام وسط اور فاء شفتہ (ہونٹ) سے صادر ہوتے ہیں اسی طرح شفتہ کی جانب سے فَلَعَ اور جانب وسط سے لَفَعَ یا لَعَفَ جیسی ترتیب کو کیوں نہیں متعین کیا؟

جواب آپ گھیرنے کی ہر چند کوشش کر رہے ہیں لیکن مفید نہیں کیونکہ مذکورہ ترتیب کی مثال اگرچہ مخارج تینوں حروف (حلق وسط شفت) کو جامع ہے مگر فَعَلَ کی ترتیب کے معانی حدثی ہوتے ہیں جو تمام الفاظ میں پائے جاتے ہیں۔ بخلاف دیگر تراتیب مثلاً عَلَفَ کے معنی جانور کا چارہ گھاس کے آتے ہیں جو کہ حدثی نہیں اور باقی فَلَعَ وغیرہ مہمل ہیں اس لئے موجودہ مروج ترتیب کو ترجیح دی گئی۔ بِاَنَّ فِعَلَ الَّذِیْ هُوَ غَیْرُ مُرَتَّبٍ مَعْنَاهُ حَدَثِیٌّ مَوْجُوْدٌ فِیْ جَمِیْعِ الْاَلْفَاظِ۔ [2]

سوال وزن کے لئے فَعَلَ ثلاثی کو اختیار کیا رباعی یا خماسی کیوں نہیں متعین کیا؟

جواب اس لئے کہ وزن کے لئے اگر رباعی یا خماسی متعین کیا جاتا تو ثلاثی بنانے کے لئے ایک یا دو حروف کو حذف کرنا پڑتا اور ثلاثی ہونے کی صورت میں رباعی یا خماسی بنانے کے لئے ایک یا دو حرف کی زیادتی ہوگی اور صرفیین کے نزدیک حذف

---

[1] الحنفیہ ص۱۴، حاشیۂ فلاح ص۱۰، حاشیۂ مراح ص۹ ہندو پریس

[2] الحنفیہ ص۱۴ مطبع مجتبائی پریس دہلی، تبیان ص۱۱ حاشیہ مراح ص۹

کی بہ نسبت زیادتی کرنا زیادہ آسان اور بہتر ہے۔ لہٰذا اس حکمت کے پیش نظر ثلاثی ہی کو اختیار کیا لِاَنَّہٗ لَوْکَانَ رُبَاعِیًّا اَوْ خُمَاسِیًّا یَکُوْنُ وَزْنُ الثُّلَاثِیِّ بِحَذْفِ حَرْفٍ اَوْ حَرْفَیْنِ[1]۔

سوال رباعی مجرد کا ایک ہی وزن کیوں ہے اور اس کی حرکات کی تفصیل مع حکمت کیا ہے؟

جواب آپ کا یہ سوال بہت اہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء بالسکون سے بچنے کے لئے فاء کلمہ کو متحرک بالفتح کیا کیونکہ اخف الحرکات ہے اور آخری کلمہ مفتوح ہوگا کیونکہ ماضی کا مبنی علی الفتح ہونا متعین ہے اور لام اوّل کو مفتوح کیا کیونکہ اس کو ساکن رکھنے کی صورت میں ضمیر مرفوع بارز کے متصل ہونے سے التقاء الساکنین ہوگا اور عین کلمہ کو ساکن کیا تاکہ ایک ہی کلمہ میں لگاتار چار حرکتوں کا اجتماع لازم نہ آئے جو کہ کراہیت سے خالی نہیں۔ لہٰذا اس تقدیر پر رباعی مجرد کا صرف ایک ہی باب ہوسکتا ہے۔[2]

سوال رباعی مجرد کے صیغہ میں لام کلمہ (مثلاً فعلل) مکرر کیوں آتا ہے فَفْعَلَ یا فَعْعَلَ کیوں نہیں؟

جواب اس لئے کہ رباعی کا صیغہ ثلاثی میں کسی حرف کی زیادتی سے ہی ممکن ہوگا اور زیادتی کا حق کلمہ کا آخری ہے اور کلمہ کا آخری محل لام ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا لام کلمہ مکرر ہوگا۔ زیراچہ موزوں بہ رباعی بزیادتی حرفی پیدا خواہد شد۔ الخ[3]

سوال اوزان کی معرفت کے لئے "ہفت اقسام" صحیح مثال وغیرہ کو سات ہی میں کیوں منحصر کیا۔ آٹھ یا چھ قسمیں کیوں نہیں؟

---

[1] حاشیہ فلاح ص۱ حاشیہ مراح الارواح ص۹

[2] تبیان ص۱ حاشیہ فلاح ص۳۲ عمدۃ التحقیقات ص۴۵

[3] تبیان ص۱۱ حاشیہ زنجانی ص۹

جواب ہفت اقسام کو سات قسموں میں منحصر کرنے کی دلیل مختصر یہ ہے کہ تمام کلمہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حروف کو مرتب اور شکل دینے کے بعد اس میں حرف علت یا ملحق حروف علت ہوگا یا نہیں اگر نہیں ہے تو وہ صحیح ہے اور اگر حرف علت ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو ایک ہی حرف علت ہوگا یا دو اگر ایک حرف علت ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں اگر فاء کلمہ کی جگہ ہے تو وہ مثال ہے اور عین کلمہ کی جگہ ہے تو اجوف اور کلمہ لام کی جگہ واقع شدہ کو ناقص کہتے ہیں اور اگر ایک کلمہ میں دو حرف علت ہوں تو وہ لفیف ہے۔ اگر حرف علت نہیں بلکہ ملحق بحروف علت ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بصورت ہمزہ ہوگا یا کلمہ واحدہ میں بصورت اجتماع حرفین صحیحین من جنس واحد ہوگا۔ پہلی صورت میں مہموز اور ثانی میں مضاعف ہے چونکہ دلیل حصر سے سات ہی اقسام نکلے۔ لہٰذا ہفت اقسام ہی ہوئے۔ اسی کو علاّمہ مہدی نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے: لِاَنَّ کُلَّ کَلِمَةٍ لَا یَخْلُوْ اِمَّا اَنْ یَّکُوْنَ فِیْ تَرْکِیْبِ حُرُوْفِهَا حَرْفُ عِلَّةٍ اَوْ مُلْحَقُ حُرُوْفِ عِلَّةٍ الخ [1]

سوال ثلاثی مجرد کے پہلے تین بابوں کو کیا کہتے ہیں؟

جواب صاحب الحنفیہ باب ضَرَبَ سَمِعَ اور نَصَرَ کو دَعَائِمُ الْاَبْوَابِ سے تعبیر کرتے ہیں جس کے معنی ستون اور کھمبے کے آتے ہیں دوسرے حضرات اُصُوْلِ اَبْوَابْ اور اُمُّ الْاَبْوَابْ کا نام دیتے ہیں۔[2]

سوال ثلاثی مجرد کے اوزان چھ سے بھی زائد ہیں مثلاً فَضَلَ یَفْضُلُ پھر چھ قسموں پر منحصر کرنا صحیح ہے یا غلط؟

جواب یہ بہت باریک سوال سے تعلق رکھتا ہے تاہم اس کے متعلق علامہ مہدی لکھتے ہیں کہ وہ شاذ ہے اور الشاذ کالمعدوم مزید فرماتے ہیں کہ اس میں

---

[1] الحنفیہ ص۱ حاشیہ فلاح ص۴ حاشیہ مراح ص۴

[2] الحنفیہ ص۲۵

ماضی ومضارع کا عین کلمہ مضموم ہونا اصل ہے اور بالکسر شاذ اور درست ضمہ کے ساتھ ہے لیکن علامہ ابن حاجب صاحب شافیہ شاذ کے قائل نہ ہوکر باب تداخل کے قائل ہیں اور اہلِ عرب سے استدلال کرتے ہیں کہ اہل عرب حضرات فَضَلَ يَفْضُلُ بِفَتْحِ الْعَيْنِ فِي الْمَاضِيْ وَضَمِّهَا فِي الْغَابِرِ اسی طرح فَضِلَ يَفْضَلُ بِالْكَسْرِ فِي الْمَاضِيْ وَالْفَتْحِ فِي الْغَابِرِ استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا ماضی کو ثانی اور مضارع کو اول سے لیا اور فَضِلَ يَفْضُلُ کہا گیا۔ [1]

تقسیم ابواب کے نکات

سوال ثلاثی مجرد کے چھ ہی باب کیوں آتے ہیں اس سے کم وبیش کیونکر نہیں؟

جواب اس سلسلہ میں اکثر حضرات خاموش ہیں صرف ایک محشی بہت تفصیل سے لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وزن کے کلمہ فَعَلَ میں تین حروف ہیں۔

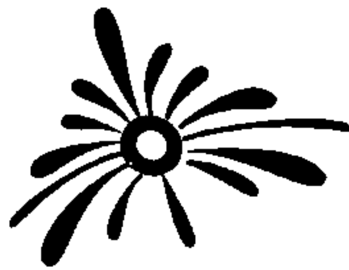
● فا ● عین ● لام فا کی چار حالتیں ہیں۔ ضمہ، فتحہ، کسرہ، سکون۔ لیکن ان تمام میں فاء کے لئے ایک ہی حالت فتحہ متعین ہے کیونکہ ضمہ اور کسرہ ثقیل ہوتے ہیں رہی بات سکون کی تو یہ بھی نہیں کیونکہ ابتداء بالسکون لازم آئے گا جو کہ متعذر و متعسر ہے۔ لہٰذا فتحہ اخف الحرکات ہے اور ابتداء کے لئے موزوں فتحہ ہی ہے۔ عین کلمہ کی چار حالتوں میں سے تین حالتیں فتحہ، کسرہ، ضمہ رہیں سکون نہیں کیونکہ ضمیر مرفوع متحرک متصل ہونے کی صورت میں عین اور لام کے مابین اجتماع ساکنین لازم آئے گا جیسے فَعْلْتَ لہٰذا اس کی تین صورتیں متعین ہوئیں۔ لام کلمہ کی بھی چار صورتیں ہیں۔ ضمہ، فتحہ، کسرہ، سکون۔ ضمہ اور کسرہ ثقیل ہونے کے باعث لام کو نہیں دیئے گئے رہی بات سکون کی تو وہ بھی نہیں کیونکہ ماضی کا آخر مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ لہٰذا ماضی کے لئے تین اوزان

---

[1] حاشیہ فلاح ص۲۷ حاشیہ مراح الارواح ص۲۳ الحنفیہ ص۳۲

فَعَلَ فَعِلَ فَعُلَ ہوئے اور سکون کو مضارع کے فا، کلمہ کے لئے متعین کر دیا تاکہ چار حرکتوں کا مسلسل اجتماع لازم نہ آئے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عین کلمہ کے لئے تین حرکات ہوں ورنہ عوامل جازم داخل ہونے سے اجتماع ساکنین لازم آئیگا۔ اس طرح تین کو تین میں ضرب دینے سے نوابواب حاصل ہوئے۔ تین فتحہ کے ساتھ تین کسرہ، تین مضموم ماضی میں اور مضارع میں حرکات ثلثہ کے ساتھ لیکن تین اوزان نکال دیئے جائیں گے تاکہ ضمہ اور کسرہ کے مابین اجتماع لازم نہ آئے۔

- فَعِلَ يَفْعُلُ بالكسر فى الماضى والضم فى المضارع۔
- فَعُلَ يَفْعَلُ بضم العين فى الماضى وفتحها فى الغابر
- فَعُلَ يَفْعِلُ بضم العين فى الماضى وكسرها فى الغابر۔ لان الفاء اربعة احوال الفتح والضم والكسر والسكون ولايمكن ان يكون ساكنا الخ [1]



---

[1] فانظر حاشیہ مراح الارواح۔ ہندو پریس دہلی شذ العرف ص۱۶ نسخہ درم ص۲۹ مصر

مصدر اصل ہے یا فعل؟

سوال مشتق منہ میں مصدر اصل ہے یا فعل ؟

جواب اس میں بصریین اور کوفیین کا اختلاف ہے۔

سوال بصریین کا کیا موقف ہے اور انہوں نے اپنے مدعا کی اثبات و تائید میں کیا دلائل پیش کئے ہیں۔؟

جواب بصریین مصدر کو اصل قرار دیتے ہوئے اس کے مشتق منہ اور اس کے اقسام کو فرع اور مشتق کے قائل ہیں۔ اور اپنے موقف کی تائید میں کئی دلائل پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل امر معنوی سے دلیل لیتے ہیں کہ تمام افعال اور اسمائے مشتقہ کے معانی کے لئے مصدری معنی مادہ اور اصل ہے تو مصدر کا لفظ بھی تمام مشتقات کے لئے مادہ اور اصل ہوگا۔

دوسری دلیل مصدر کا مفہوم (حدث) مفرد ہے اور فعل کا مفہوم مرکب ہوا کرتا ہے کیوں کہ فعل حدث اور زمانہ اور نسبت الی الفاعل تینوں پر دلالت کرتا ہے اور مفرد مرکب پر مقدم اور سابق ہوتا ہے۔ لہٰذا سابق (یعنی مصدر) کو اصل قرار دینا لاحق (یعنی فعل) کو اصل قرار دینے سے اولیٰ اور بہتر ہے کیونکہ سابق ہونا اصل کا خاصہ ہے۔ لہٰذا مصدر جب فعل کا اصل ہوا تو متعلقاتِ فعل اسم فاعل، اسم مفعول، اسم ظرف، اسم آلہ، اسم تفضیل، صفت مشبہ بدرجہ اولیٰ فرع ہوئے اور اگر فعل کو اصل قرار دیا جائے جیسا کہ کوفیین کا عندیہ ہے تو وضع کے خلاف لازم آئے گا جبکہ اس سے اجتناب ضروری ہے[1]

---

[1] الحنفیہ ص۱۵ حاشیہ فلاح ص۱ حاشیہ مراح الارواح ص۱ ھندو پریس دھلی

تیسری دلیل مصدر اسم ہے اور ہر اسم فعل سے افادہ میں مستغنی اور بے نیاز ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا قیاس اقترانی کی شکل اول (مصدر فعل سے مستغنی ہوتا ہے اور ہر مستغنی اصل ہے) حدِاوسط گرا دینے کے بعد نتیجہ نکلا کہ مصدر اصل ہے۔ ؎۱

چوتھی دلیل: امر لفظی سے دیتے ہیں کہ لفظ مصدر بروزن **مَفْعَلٌ** صیغۂ اسم ظرف ہے جس کے معنی صادر ہونے اور نکلنے کی جگہ کے آتے ہیں چونکہ اس سے فعل اور اس کے متعلقات صادر ہوتے ہیں اور صادر ہوئی چیز فرع ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا مصدر اصل ہوا اور فعل ومتعقات فرع ہوئے۔ ؎۲

پانچویں دلیل: مذہب بصریین کی تائید میں مولف پیش کرتا ہے کہ مصدر کو اصلِ فعل اور مشتق منہ نہ مانا جائے تو اس صورت میں مصدر کو اسم ظرف کا صیغہ ماننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ لہٰذا لفظ مصدر بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مصدر فعل کا اصل اور مشتق منہ ہے اور **فعل ومتعلقات فعل۔ اِسْم فَاعِلْ** وغیرہ فرع اور مشتق ہیں! (مولف)

سوال اس سلسلہ میں کوفیین کا مُدعا اور مطلوبہ موقف کے دلائل کیا ہیں؟

جواب کوفیین فعل، اصل اور مصدر فرع ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ اپنے مسلک ونظریہ کی تائید میں چار دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: تعلیل میں اصل فعل ہے کیونکہ مصدر کی تعلیل کا دار و مدار فعل کی تعلیل پر ہے گویا مصدر تابع اور فعل متبوع ہوا اور قاعدہ ہے کہ متبوع اصل اور تابع فرع قرار دیا جاتا ہے اس لئے کہ اگر مصدر فرع نہ ہوتا تو تابع نہ ہوتا اور صحت و سقم میں کسی کا تابع ہونا یہ فرع کی دلیل ہے۔ ؎۳

؎۱ حاشیہ فلاح ص۱۱، الحنفیہ ص۱۵ حاشیہ مراح ص۱۱

؎۲ حاشیہ فلاح ص۱۱، الحنفیہ ص۱۶ حاشیہ مراح ص۱۱

؎۳ الحنفیہ ص۱۹ تا ۲۰، حاشیہ فلاح ص۱۵

دوسری دلیل : کوفیین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مصدر کبھی فعل کی تاکید کے لئے واقع ہوتا ہے جیسے ضَرَبتُ ضَرْباً اور تاکید توابع کی ایک قسم ہے جس کو نحویوں نے بھی شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔ لہٰذا تاکید (یعنی مصدر) موکِّد یعنی فعل کی فرع ثابت ہوئی کیونکہ موکَّد بالفتح اصل اور متبوع ہے اور موکِّد بالکسر تابع وفرع ہے۔ [1]

تیسری دلیل : اصالتِ فعل میں کوفیین ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ فعل مصدر کے بغیر پایا جاتا ہے۔ جیسے لیس اور عسیٰ وغیرہ۔ مگر مصدر فعل کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا مصدر محتاج ہوا اور محتاج فرع ہوا کرتا ہے۔ اس طرح فعل اصل ہوا اور مصدر فرع۔

چوتھی دلیل : کوفیین حضرات بصریین کی دلیل کا جواب دیتے ہیں کہ لفظ مصدر ظرف کا صیغہ نہیں ہے بلکہ وہ مفعل کے وزن پر مصدر میمی ہے جو کہ مفعول کے معنی میں ہے۔ لہٰذا مصدر، مصدور (نکلا ہوا) کے معنی میں ہوا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ مصدر فعل سے نکلا ہے مزید اس کی تقویت وتائید میں اہل عرب کی تمثیل پیش کرتے ہیں مشرب عذب ومرکب فارہ یہ مصدر صیغۂ مفعول مشروب اور مرکوب کے معنی میں ہے اور دونوں کے معنی ہوئے میٹھا پانی اور تیز رو گھوڑا جس سے مذہب کوفیین کی دلیل بظاہر مضبوط معلوم ہوتی ہے۔ [2]

سوال مذکورہ دونوں مذاہب میں سے کس کی دلیل راجح ہے؟

جواب اس کا تصفیہ خود قارئین وناظرین کے ذمّہ ہے کیونکہ دونوں کے دلائل شرح وبسط سے ذکر کردیئے گئے تاہم بعض حضرات جیسا کہ صاحب علم الصیغہ

---

[1] الحنفیہ ص۲۱، حاشیہ فلاح ص۱٦

[2] الحنفیہ ص۲۱، حاشیہ فلاح ص۱٦ حاشیہ مراح الارواح ص۱٦

نے کوفی مذہب کی تائید کرتے ہوئے بصریین کے دلائل سے چشم پوشی کی ہے۔ جن کو راقم الحروف نے ظاہر کر دیا تاکہ مذہب بصریین کی دلیل نکھر کر سامنے آجائے اور حقیقت کا اظہار ہو جائے۔ صاحب الحنفیہ علامہ مہدی اور صاحب فلاح علامہ ابن کمال پاشا نے بصریین کے موقف کی تائید اور کوفیین کی خوب تردید کرتے ہوئے ان کے دلائل کو لفظ ینبغی سے تعبیر کیا ہے جو ضعف پر مبنی ہے۔ ثاقب

دلائلِ کوفیین کا جواب

سوال بصریین کی جانب سے کوفیین کے دلائل کا بطورِ معارضہ جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب کیوں نہیں بحمد للہ سبھی دلائل کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی دلیل: کا جواب صاحب الحنفیہ علامہ مہدی نے کافی تفصیل و تطویل سے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کا دار مدار ہونا اس کی اہمیت و رفعت کے منافی نہیں ہے۔ لہٰذا مصدر کی تعلیل کا فعل کی تعلیل پر موقوف ہونا مصدریت کی کی دلیل نہیں ہے۔ اولاً تو ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ تعلیل فعل تعلیلِ مصدر کے لئے بنیاد ہے کیونکہ بہت سے ایسے مصادر ہیں جن میں کوئی تعلیل ہی نہیں ہوئی ہے اور فعل میں تعلیل ہوئی ہے مثلاً الرَّمی مصدر ہے اس میں کوئی تعلیل نہیں ہوئی اور اس کا فعل رَمٰی ہے اس میں تعلیل ہوئی ہے اسی طرح اَلْبَیْعُ مصدر میں رَمٰی اور فعل میں تعلیل نہیں ہوئی جبکہ مصدر میں تعلیل ہوئی ہے مثلاً اعشوشب فعل ہے یہ تعلیل سے منزہ اور خالی ہے اور مصدر اِعْشِیشَابًا میں تعلیل ہوئی ہے کیونکہ اس میں واؤ کو یاء سے بدلا گیا ہے۔ لہٰذا کوفیین کی پہلی دلیل باطل ہو گئی اس لئے کہ لازم باطل تو ملزوم یعنی دار و مدار ٹھہرانا باطل، گویا تعلیل مصدر و فعل میں مشاکلت پائی جاتی ہے نہ کہ مداریت: (الحنفیہ ص۲۱ حاشیہ فلاح ص۱۶)

دوسری دلیل: جو کوفیین نے پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مصدر کا تاکید فعل ہونا فعل کی اصلیت اور مصدر کی فرعیت پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ مصدر کا تابع اور فعل کا متبوع ہونا یہ اعراب میں ہے مشتق ہونے میں مصدر تابع نہیں۔ دوسرا جواب یہ دیا جائیگا کہ کوفیین نے موکد فعل میں ضَرَبْتُ ضَرْبًا کی مثال پیش کی تھی۔ حالانکہ ضَرَبْتُ ضَرْبًا میں تاکید نہیں ہے اس لئے کہ تاکید کی دو قسمیں ہیں (۱) تاکید لفظی (۲) تاکید معنوی۔ یہاں دونوں میں سے کوئی قسم نہیں۔ اوّل یعنی تاکید لفظی۔ اس لئے نہیں کہ تاکید لفظی میں لفظ اوّل کا متکرر یعنی ڈبل ہونا چاہیئے۔ جبکہ اس میں تکرار نہیں اور تاکید معنوی بھی اس لئے نہیں کہ اس کے چند مخصوص الفاظ نَفْسٌ عَيْنٌ كُلٌّ اَجْمَعُ وغیرہ ہیں جو یہاں مفقود ہیں۔ لہٰذا تاکید کے ذریعہ اصالتِ فعل پر حجّت قائم کرنا درست نہیں[۱]۔

تیسری دلیل: کا جواب یہ ہے کہ لفظ مصدر کے صیغہ میں ظرف اور مصدر میمی دونوں کا احتمال ہے اور احتمالِ قولی سے خصم کے مابین استدلال کرنا درست نہیں۔

صاحب الحنفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسناد مجازی کے قبیل سے ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں[۲]۔

چوتھی دلیل: کوفیین نے پیش کی تھی کہ فعل مصدر کے بغیر پایا جاتا ہے اور مصدر فعل کے بغیر نہیں پایا جاتا اور مثال میں عسیٰ ولیس کو پیش کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ کوفیین کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کیونکہ جس طرح فعل بغیر مصدر کے پایا جاتا ہے اسی طرح مصدر بغیر فعل کے پایا جاتا ہے تن کو دیکھئے کہ مصدر ہے مگر اس کا فعل نہیں۔ لہٰذا استغناء اور بے نیازی میں دونوں یعنی مصدر اور فعل یکساں ثابت ہوئے بصریین کی جانب سے کوفیین کے دلائل کا تسلی بخش جواب دیدیا گیا جو کوفی مسلک کے لئے قاطع برہان ہے۔ (امین الصیغہ)

---

[۱] الحنفیہ ص۲۲، حاشیہ فلاح ص۱۶

[۲] حاشیہ مراح ص۱۷، الحنفیہ ص۲۲، حاشیہ فلاح ص۱۸

سوال: اصالتِ مصدر وفعل میں اختلاف سے کیا ثمرہ اور فائدہ مرتب ہوا؟

جواب: اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بصریین کے نزدیک اسمائے مشتقہ چھ[۶] ہوئے اسم فاعل[۱]۔ اسم مفعول[۲]، اسم[۳] ظرف زمان ومکان اسم[۴] آلہ، اسم[۵] تفضیل، صفت[۶] مشبہ یہ سارے مصدر کے اقسام ہوئے اور کوفیین کے نزدیک اسماءِ مشتقہ سات ہوئے۔ چھ مذکورہ بالا اور ایک مصدر، یہ، ساتوں فعل کے مشتقات ہوں گے۔ [۱]

واؤ کو اخت ضمہ اور یاء کو اخت کسرہ سے تعبیر کرنے کی وجہ

سوال: صرفیین واؤ کو اخت ضمہ اور یاء کو اخت کسرہ اور الف کو اخت فتحہ سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ کتاب پنج گنج وغیرہ میں ہے اَخٌ مذکر کیوں نہیں کہتے؟

جواب: آپ کا اشکال بجا ہے مگر اس کی حکمت یہ ہے کہ چونکہ حروف مؤنث کے حکم میں ہیں اس لئے مؤنث اخت استعمال کرتے ہیں تاکہ تانیث میں مطابقت ہوجائے۔[۲]

سوال: اخت کے بجائے بنتٌ کیوں نہیں استعمال کرتے؟

جواب: اس کا جواب محشی تبیان یہ لکھتے ہیں کہ چونکہ تولد حقیقی نہیں ہے یعنی واؤ درازی ضمہ اور الف درازی فتحہ اور یاء درازی کسرہ سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے بنتٌ سے تعبیر نہیں کیا کیونکہ بنتٌ یا ابن کا استعمال تولد حقیقی میں ہوتا ہے اور اَخٌ یا اختٌ کا استعمال تولد غیر حقیقی کے لئے بھی ہوتا ہے۔[۳]

---

[۱] فانظر علم الصّیغہ ص۸۲، یاسر ندیم

[۲] تبیان ص۳۲　　[۳] ھکذا فی التبیان ص۳۲

فعل ماضی معروف کے نکات

سوال فعل معروف کا دوسرا نام کیا ہے؟

جواب اس کو مبنی للفاعل اور فعل معلوم بھی کہتے ہیں۔[1]

سوال صیغہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

جواب صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں کہ سونا کو کسی سانچے میں ڈھالنا صاحب تبیان نے بھی اسی معنی کو بیان کیا ہے اور اصطلاح صرف میں صیغہ بالکسر نام ہے حروف کو حرکات وسکنات کے ساتھ اس طرح جوڑنا جس سے کسی کلمہ کی ہیت معلوم ہو شیخ ابن اثیر صاحب النہایہ قلم طراز ہیں کہ قائل یا فاعل نے جس ہیت و صورت کو وجود بخشا ہو وہ صیغہ ہے۔ علامہ اعلیٰ تھانوی کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں کہ اہل عربیت کے نزدیک حروف وحرکات اور سکنات کو باہم جوڑنے پر محصلہ ہیت وشکل کا نام صیغہ ہے۔ صاحب غیاث اللغات اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حروف وحرکات وسکنات کی تقدیم وتاخیر سے کلمہ کی ہیئت وتصویر کا نام صیغہ ہے: اَلصِّيغَةُ بِالْكَسْرِ عِنْدَ أَهْلِ الْعَرَبِيَةِ هِيَ الْهَيْئَةُ الْحَاصِلَةُ مِنْ تَرْكِيبِ الْحُرُوفِ۔[2] الخ

سوال لفظ صیغہ اصل حالت پر ہے یا اس میں تبدیلی ہوئی ہے؟

جواب لفظ صیغہ اصل میں صِوْغٌ تھا۔ لیکن واؤ ماقبل کسرہ ہونے کی بنا پر اس واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا۔ چنانچہ علامہ ابن منظور لسان العرب میں اور شیخ جوہری صحاح میں اور ابن اثیر النہایہ میں لکھتے ہیں " وَاَصْلُهَا

---

[1] زنجانی ص۱۵، تبیان ص۱۴، الحنفیہ ص۱۰۶، فلاح ص۹۲

[2] کشاف جلد۱، ص۸۳۵، عمدۃ التحقیقات ص۴۳، النہایہ جلد۳، ص۶۷، تبیان ص۱۲ غیاث اللغات ص۳۱۳، حاشیہ زنجانی ص۲۶۔

الوَاوُ فانقلبَتْ یاءً لکسرۃِ ما قبلھا ویقالُ صیغۃ الامر[1]

سوال فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں اس کی وجہ تسمیہ بتائیں ؟

جواب فعل بالکسر میں چونکہ فعل لغوی معنی مصدری یعنی کرنا پایا جاتا ہے جوکہ جزء ہے۔ لہٰذا تَسْمِیَۃُ الْکُلِّ بِاسْمِ الْجُزْءِ کے قبیل سے فعل نام رکھ دیا۔ بالفاظ دیگر فعل اصطلاحی میں فعل لغوی متضمَّن ہوتا ہے۔ لہٰذا تَسْمِیَۃُ الْمُتَضَمِّنِ بِکَسْرِ الْمِیْمِ بِاسْمِ الْمُتَضَمَّنِ بِفَتْحِ الْمِیْمِ کے طور پر فعل اصطلاحی کا نام فعل رکھ دیا گیا !

سوال زمانہ (حال ، ماضی ، استقبال) تین ہی کیوں ہوتے ہیں۔؟

جواب زمانہ کے تین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زمانہ دو[2] حال سے خالی نہیں یا تو گذر گیا یا نہیں۔ اگر زمانہ گذر گیا تو اس کو زمانہ ماضی کہتے ہیں۔ دوسری صورت پھر دو[2] حال سے خالی نہیں یا تو وہ زمانہ موجود ہے یا آئندہ آئیگا اوّل صورت میں حال ہے اور ثانی میں مستقبل۔ لہٰذا زمانہ تین ہی ثابت ہوئے۔ (مؤلف)

سوال یہ بتایئے کہ فعل ماضی وغیرہ کے چودہ[14] ہی صیغے کیوں آتے ہیں جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کل اٹھارہ[18] صیغے ہوں چھ غائب کے لئے چھ[6] مخاطب اور چھ[6] متکلم کے لئے حالانکہ ایسا نہیں ؟

جواب علامہ مہدی ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ اعداد سماعی ہیں یعنی اہل زبان سے اتنا ہی سُنا گیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ متکلم کے چھ[6] صیغوں میں سے ایک واحد متکلم اور ایک جمع متکلم کے لئے لیا۔ چنانچہ واحد متکلم میں مذکر و مؤنث کے لئے ایک ہی صیغہ رہا۔ جمع متکلم میں بھی تثنیہ مذکر و مؤنث اور جمع مذکر کے لئے ایک ہی مشترکہ صیغہ رکھا کیونکہ متکلم اکثر حالات میں دیکھا جاتا ہے اور اس کی آواز

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۲۶ لسان العرب جلد ۷، ص۴۵۵
الصحاح جلد ۴ ص۱۳۲۴ النہایہ جلد ۳ ، ص۶۷

سنی جاتی ہے کہ وہ مذکر یا مؤنث اس طرح متکلم کے قیاسی چھ صیغوں میں سے چار گھٹ کر دو[۲] رہ گئے اور کل چودہ ہی صیغے بنے۔[۱]

سوال فعلتما بھی تو تثنیہ مذکر حاضر و مونث حاضر میں مشترک ہے لہٰذا اس میں بھی ایک کرکے تیرہ صیغے بنانا چاہیئے۔؟

جواب آپ تو بہت دور رس معلوم ہوتے ہیں خیر ایسا کرسکتے ہیں اور شمار میں تیرہ صیغے ذکر کرسکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب فصول اکبری نے تیرہ ہی صیغے شمار کرائے ہیں اور جہاں الگ الگ ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی طلباء کو افہام و تفہیم میں آسانی ہوں گنجلک نہ ہوں۔ برائے تسہیل فہم مکرر ذکر کردند۔[۲]

سوال فعل ماضی مبنی کیوں ہوتا ہے اس کی وجہ بتائیں ؟

جواب علامہ ابن کمال پاشا اور صاحب الحنفیہ یہ لکھتے ہیں کہ:

مقتضیٔ اعراب فاعلیت و مفعولیت اور اضافت مفقود ہونے کے باعث مبنی ہے کیونکہ فعل فاعل نہیں واقع ہونا اور نہ ہی مفعول و مضاف الیہ۔ دوسرا جواب علامہ عبدالحئی بتیان میں یہ لکھتے ہیں کہ فعل میں اصل مبنی ہے اور اصل میں استفسار علت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی[۳] ــــــــ تفصیل کے لئے احقر کی کتاب عمدۃ التحقیقات ملاحظہ فرمائیں۔

سوال فعل ماضی مبنی علی الحرکت کیوں ہوتا ہے جبکہ مبنی میں اصل سکون ہے ؟

جواب فعل ماضی، اسم نکرہ کی صفت واقع ہونے میں اسم فاعل و اسم مفعول کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے یعنی جس طرح اسم فاعل اور اسم مفعول اسم نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے اسی طرح فعل ماضی بھی صفت کی جگہ واقع ہوتا ہے۔

---

[۱] الحنفیہ ص۳۸، ۶۰، ۶۱ تبیان ص۱۴ حاشیۂ زنجانی ص۱۵ حاشیہ مراح ص۲۵

[۲] تبیان ص۱۴ [۳] تبیان ص۹، الحنفیہ ص۳۸، حاشیہ فلاح ص۳۵، حاشیہ مراح ص۲۶ مراح وغیرہ ص۴

جیسے مررت برجلٍ ضرب مررت برجل ضاربٍ لہذا اس مشابہت کی بناء پر ماضی کو بھی حرکت دے دی گئی۔[1]

سوال فعل ماضی مبنی علی الفتح ہی کیوں ہوتا ہے مبنی علی الکسر یا مبنی علی الضم بھی ہو سکتا ہے۔؟

جواب اس کا پہلا جواب شیخ عبدالحیٔ اپنی کتاب تبیان میں یہ دیتے ہیں کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور فعل حدوث اور زمان پر دلالت کرنیکی وجہ سے ثقیل ہے۔ لہٰذا ثقیل کو خفیف دیا گیا تاکہ درمیانہ ہو جائے۔ دوسرا جواب علامہ ابن کمال پاشا وغیرہ لکھتے ہیں کہ فتحہ ساکن کا بھائی ہے یعنی دونوں میں ایک مناسبت و تعلق اس طرح ہے کہ فتحہ اس الف کا جزو ہے جو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے کیونکہ الف دو فتحہ سے مرکب ہوتا ہے۔ لہٰذا سکون اور فتحہ میں مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس لئے مبنی علی الفتح ہوا۔ لِاَنَّ الْفَتْحَ اَخُ السُّكُوْنِ لِاَنَّ الْفَتْحَةَ جُزْءُ الْاَلِفِ الَّذِيْ الخ۔[2]

سوال فعل ماضی معرب کیوں نہیں ہوتا جبکہ نکرہ کی صفت واقع ہونے میں اسم فاعل معرب کے مشابہ ہے؟

جواب معرب ہونے کے لئے اسم فاعل کے ساتھ اتنی ہی مشابہت کافی نہیں ہے بلکہ ضروری شرائط میں یہ بھی ہے کہ وہ اسماء و افعال معرب ہوں گے جن کے معنی میں کوئی اسم معرب آتا ہو اور وہ اسم معرب اس فعل کا سا عمل کرتا ہو چونکہ فعل مضارع کے معنی میں اسم فاعل آتا ہے اور فعل مضارع کی طرح عمل کرتا ہے اس لئے مضارع تو معرب ہوا اور اسم فاعل چونکہ ماضی کے معنی میں ہوکر ماضی کا سا

---

[1] الحنفیہ ص۳۹، تبیان ص۹، حاشیہ فلاح ص۳۶ مراح دعزی ص۲۔

[2] الحنفیہ ص۳۹، تبیان ص۹، حاشیہ فلاح ص۳۶، زنجانی ص۱۵، شرح المفصل جزء۷ ص۴، شرح رضی جلد۲ ص۲۲۵ بیروت، مراح دعزی ص۴ ترکی۔

عمل نہیں کرتا بلکہ اپنے مابعد کی طرف مضاف ہوجاتا ہے جیسے ھٰذا ضاربُ عَمْرٍو اَمْسِ لہٰذا اسم معرب کے ساتھ کلّی مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے فعل ماضی مبنی ہے۔[1]

سوال فعل امر حرکات وسکنات میں اسم فاعل کے مشابہ ہے جیسے اضرب ضارب پھر بھی مبنی علی السّکون کیوں ہوتا ہے؟

جواب آپ کا اشکال تو بجا ہے لیکن فعل امر کا آخر ہمیشہ مبنی علی السکون ہی ہوتا ہے کیوں کہ امر کی مشابہت اسم فاعل سے من کل الوجوہ نہیں ہے بلکہ مشابہت لفظی ہے اور صرف مشابہت لفظی موثر اور کارآمد ثابت نہیں ہوتی اور عمیق نظر سے دیکھا جائے تو حرکات وسکنات میں بھی مشابہت نہیں ہے کیونکہ اسم معرب بالحرکت ہوتا ہے اور یہ ساکن۔ لہٰذا مشابہت نہ ہونے کی بناء پر مبنی ہے۔[2]

سوال افعال کے طریقہ گردان میں کتنے مذاہب ہیں اور کیا کیفیت ہے۔؟

جواب اربابِ فن صرف کے نزدیک تصریفِ افعال میں تین مذاہب ہیں۔

مذہب اوّل:

اس مذہب کا نظریہ یہ ہے کہ صیغۂ غائب سے شروع کرکے صیغۂ جمع متکلم پر ختم کرتے ہیں جیسا کہ عموماً متداول و رائج ہے۔ اس صورت میں ادنیٰ (غائب) سے اعلیٰ (متکلم) کی طرف ترقی ہے جو کہ پسندیدہ ہے کیونکہ نیچے سے اُوپر کو جانا یہ بہتر سمجھا جاتا ہے جیسے نَصَرَ نَصَرَا نَصَرُوْا نَصَرَتْ ـــــ نَصَرْتُ نَصَرْنَا۔

---

[1] الحنفیہ ص۳۹، حاشیہ فلاح ص۳۷، حاشیہ مراح ص۲۶ مراح وعزی ص۴

[2] الحنفیہ ص۴۱ فلاح ص۳۷، مراح وعزی ص۴

مذہب دوم:

شیخ عبدالوہاب بن ابراہیم لکھتے ہیں کہ مذہب دوم کے حاملین صیغہ متکلم سے شروع اور غائب پر ختم کرتے ہیں۔ یہی شکل ضمائر کی گردان میں ہوتی ہے۔ اس صورت میں اقویٰ سے شروع کرنا لازم آتا ہے یہ بھی اولیٰ ہے کیوں کہ متکلم، مخاطب اور غائب کی بہ نسبت قوی ہوا کرتا ہے۔ مثلاً نَصَرْتُ نَصَرْنَا نَصَرْتَ، نَصَرْتُمَا نَصَرْتُمْ نَصَرْتِ نَصَرْتُمَا نَصَرْتُنَّ نَصَرَ۔ الخ۔

مذہب سوم:

تیسرا مذہب درمیانہ روی کو اختیار کرتے ہوئے صیغہ حاضر سے شروع کرکے صیغہ غائب پر ختم کرتے ہیں۔ جیسے نَصَرْتَ نَصَرْتُمَا نَصَرْتُمْ نَصَرْتِ نَصَرْتُمَا نَصَرْتُنَّ نَصَرْتُ نَصَرْنَا نَصَرَ نَصَرَا۔ الخ یہ متوسط نظریہ خیر الامور اوسطہا کے مطابق ہے کیونکہ صیغہ مخاطب غائب اور متکلم کے درمیان ہے۔ اِعْلَمْ اَنَّ اَرْبَابَ الْفَنِّ فِیْ تَصْرِیْفِ الْاَفْعَالِ مَسَالِكُ۔ الخ [1]

سوال صیغہ تثنیہ مذکر و مونث اور امر میں الف زائد کیوں آتا ہے؟

جواب آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ الف علامت تانیث اور ضمیر فاعل ہے اس لئے تثنیہ وغیرہ میں الف کا اضافہ کیا جاتا ہے تاکہ اس سے معلوم ہوجائے کہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ [2]

سوال علامت تثنیہ وضمیر فاعل کے لئے الف ہی کو کیوں منتخب کیا جبکہ اور حروف بھی ہیں؟

---

[1] حاشیہ زنجانی ص۱۵

[2] الحنفیہ ص۲۱، تبیان ص۱۵۔

جواب تاکہ تثنیہ ضمیر مرفوع منفصل "ھُمَا" پر دلالت کرے چونکہ ھُمَا ضمیر تثنیہ میں الف موجود ہے اس لئے صیغۂ تثنیہ میں الف کی زیادتی ھُمَا کی مناسبت سے ہے[1]۔

سوال صیغۂ جمع فعلوا میں واؤ کیوں آتا ہے صرف ضمہ سے کام چل سکتا تھا؟

جواب واؤ علامتِ جمع مذکر و ضمیر فاعل ہے۔ دوسرے یہ کہ ھُمْوا جمع ضمیر مرفوع منفصل پر دلالت کرے چونکہ ھموا ضمیر میں بھی واؤ ہے اس لئے اس صیغہ جمع میں واؤ اضافہ کر دیا تاکہ دونوں میں مناسبت ظاہر ہو جائے۔ صاحب النجاح کہتے ہیں کہ جمع کے لئے حرف واؤ اور تثنیہ کے لئے الف کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فعل میں حروف لین کی زیادتی اصل ہے اس لئے کہ زیادتی سے ثقالت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا احف الحروف حروف لین کو اختیار کرتے ہیں چونکہ کلام میں استعمال بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان حروف کو زیادتی کے لئے مختص کیا[2]۔

سوال یہ بتائیے کہ صیغۂ جمع ضربوا میں لام کلمہ (ب) پر ضمہ کیوں آتا ہے جبکہ ماضی میں مبنی علی الفتح اصل ہے؟

جواب صاحب الحنفیہ و شیخ احمد بن علی لکھتے ہیں کہ لام کلمہ کو ضمہ واؤ مدّہ کی مناسبت سے دیا گیا کیونکہ حرکت ضمہ شفویہ ہے اور واؤ بھی حرف شفویہ۔ لہٰذا واؤ کی ضمہ سے مناسبت کی بناء پر ضمہ دیا گیا۔ اس لئے کہ الجنس یمیل الی الجنس زیادہ موزوں اور مناسب رہتا ہے[3]۔

سوال آپ کے ضابطے سے معلوم ہوا کہ جب فعل جمع کے واؤ سے

---

[1] تبیان ص۱۵ حاشیہ فلاح ص۳۷، حاشیہ مراح ص۲۷، (ہندو پریس) مراح وعزی ص۴

[2] فلاح ص۳۸، حاشیہ مراح ص۲۷، الحنفیہ ص۴۱ بتصرف مراح وعزی ص۴

[3] تبیان ص۱۵ الحنفیہ ص۴۱، فلاح ص۳۸ مراح وعزی ص۴

متصل ہو تو اس کے آخر کو واؤ کی مناسبت سے ضمہ دیتے ہیں تو صیغۂ جمع رَمَوْا میں ضمہ کیوں نہیں دیا فتحہ کیوں ہے؟

جواب آپ نے غور نہیں کیا کیونکہ رَمَوْا میں حرف میم واؤ سے پہلے نہیں ہے بلکہ یاء سے پہلے ہے اور یاء پر ضمہ ہے کیونکہ اس کی اصل رمیوا تھی یاء کے ماقبل متحرک مفتوح ہونے کی بناء پر یاء کو الف سے بدلا۔ الف واؤ میں اجتماع ساکنین ہونیکی بناء پر الف کو حذف کر دیا رَمَوْا ہو گیا۔ لہٰذا ہم نے جو ضابطہ بیان کیا کہ آخر فعل کو واؤ کی مناسبت سے ضمہ دیا جائے گا۔ اس میں ایسا نہیں ہے۔[1] لانَّ المِیْمَ لَیْسَتْ بِمَا قَبْلِهَا۔[2] الخ

سوال آپ نے دوران تعلیل الف جو کہ فعل کا لام کلمہ تھا اسکو حذف کر دیا اور حرف زائد کو حذف نہیں کیا؟

جواب واؤ جمع کی علامت ہے اور العَلَامَةُ لَاتُحْذَفُ یعنی علامت و نشانی مٹائی نہیں جاتی ورنہ کسی کا تشخص اور امتیاز برقرار نہ رہ کر ایک دوسرے میں گھل مل جائے گا۔[2]

سوال رمیا میں رَمَوْا کا مذکورہ قاعدہ پائے جانے کے باوجود یاء کو الف سے کیوں نہیں بدلا؟

جواب آپ کی بات تو صحیح ہے لیکن یہاں اگر یاء کو الف سے بدل دیا جائے تو صیغہ واحد رَمَا کے مشابہ ہو جائے گا جو کہ باعث حرج ہو گا۔ حالانکہ تعلیل ازالۂ حرج کے لئے ہوا کرتی ہے نہ کہ آور د مصیبت اگر الف میکردند مشابہت بواحد می شد۔[3]

سوال رَمَوا کے میم کو یہ کہکر ضمہ نہیں دیا کہ میم واؤ کے ماقبل نہیں ہے

---

[1] تبیان ص۱۵، الحنفیہ ص۴۲، حاشیہ مراح ص۲۸، شرح المفصل ص۶ جزء ۷ بیروت مراح و عزی ص۴۔ [2] الحنفیہ ص۴۲ [3] تبیان ص۱۵۔

تو پھر رَضُوا میں ضَاد کو کیوں ضمہ دیا گیا جبکہ ضَاد بھی ماقبلِ واؤ نہیں ہے کیونکہ اس کی اصل رَضِیُوا بکسر الضاد ہے۔؟

جواب آپ نے گرفت کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ہم ہر جگہ سے دامن چھڑا جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ رَضُوا میں ضَاد کا ضمہ واؤ کی مناسبت سے نہیں ہے بلکہ وہ یاء کا ضمہ ہے۔ اس لئے کہ اس کی اصل رَضِیُوا ہے یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ساکن کر دیا پھر یاء اور واؤ میں اجتماع ساکنین ہوا یاء کو حذف کر دیا اور ضاد کو ضمہ دے دیا گیا کیونکہ اگر ضمہ نہ دیا جائے تو کسرہ حقیقیہ سے ضمہ تقدیر یہ کی طرف خروج لازم آئے گا جو اہل لسان اور سلیم الطبع کے لئے باعثِ ثقل ہے جس طرح نیچے سے بلندی کی طرف چڑھنے میں پریشانی ہوتی ہے اسی کو علامہ عبدالحیٰ ان الفاظ میں لکھتے ہیں: ایں ضمہ ضاد بجہت مناسبت واؤ نیست بلکہ ضمہ یاء است[1]۔ الخ

سوال اس خرابی کا ازالہ فتحہ سے ہو سکتا تھا پھر رَمَوا کی طرح رَضَوا کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب آپ کی بات کچھ کچھ درست ہے مگر ضمہ کی حرکت دینے میں دو۲ فائدے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کسرہ حقیقی سے ضمہ تقدیری کی طرف نکلنا لازم آتا جو ضمہ کی وجہ سے مندفع ہو گیا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ ضمہ واؤ کی مناسبت سے دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ واؤ ضمہ کی بہن ہے[2]۔

سوال الف کو جمع کے لئے اور واؤ کو تثنیہ کے لئے کیوں نہیں خاص کیا؟

جواب اس کے متعلق شیخ احمد بن سلیمان فرماتے ہیں کہ اس طرح نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ الف اولِ مخارج ہے۔ اور واؤ آخر مخارج ہے اسی طرح

---

[1] تبیان ص۱۶، الحنفیہ ص۴۲، فلاح ص۳۹، حاشیہ مراح ص۲۸ (ہندو پریس دہلی) مراح وغیرہ ص۴

[2] الحنفیہ ص۴۲، فلاح ص۳۹، حاشیہ مراح ص۲۸۔

تثنیہ جمع سے پہلے ہے۔ لہٰذا مقدّم کو مقدّم دیا گیا اور مؤخر یعنی جمع کو موخر (واؤ) دیا گیا۔ فَخُصَّتِ الْاَلِفُ لِلتَّثْنِيَةِ وَالْوَاوُ لِلْجَمْعِ لِاَنَّ الْاَلِفَ مِنْ اَوَّلِ الْمَخَارِجِ[1] الخ

سوال صیغۂ جمع فَعَلُوْا وغیرہ میں واوِ جمع کے بعد الف کیوں لاتے ہیں؟

جواب اس کے دو جوابات ہیں۔ چنانچہ علامہ مہدی لکھتے ہیں کہ واوِ جمع اور واوِ عطف میں فرق کرنے کے لئے الف لایا جاتا ہے۔ مثلاً حَضَرَ وَقَتَلَ زَيْدٌ اس مثال میں دونوں احتمال تھا کہ وہ صیغۂ مفرد ہو اور واوِ عاطفہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ صیغۂ جمع ہو۔ لہٰذا اس صورت میں التباس لازم آتا اور مقصود فوت ہوجاتا۔ اس لئے صیغۂ جمع کے واؤ کے بعد الف لکھا جاتا ہے تاکہ واؤ جمع پر دلالت کرے۔ کیونکہ واوِ عطف میں فقط واو ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واو جمع کے بعد الف اس لئے لکھا جاتا ہے تاکہ صیغۂ واحد اور جمع میں فرق ہوجائے مثلاً لَنْ يَدْعُوَ صیغۂ واحد اور صیغۂ جمع لَنْ يَدْعُوَا اگر اس میں الف نہ لکھا جائے تو واحد اور جمع میں کوئی فرق نہیں ہوگا کیونکہ صیغۂ واحد " لَنْ يَدْعُوَا اور جمع بھی لَنْ يَدْعُوَ اس میں اشتباہ رہتا۔ لہٰذا الف جمع کے بعد الف لکھا گیا۔[2]

سوال واوِ عطف کے لئے الف کیوں نہیں دیدیا اور واوِ جمع کو اس سے خالی رکھا جاتا تب بھی فرق ہوجاتا؟

جواب ایسا تو کرسکتے تھے لیکن آپ کے قول کے مطابق نہیں کیا گیا اس لئے کہ واوِ عطف میں اگر الف لایا جائے گا تو حرف عطف اور معطوف کے درمیان فصل لازم آئے گا اس سے بچنے کے لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ "بر تقدیر عکس لازم می آید فصل میان" الخ[3]

---

[1] فلاح ص۳۸ ، حاشیہ مراح ص۲۷ (ہندو پریس) [2] فلاح ص۳۹ ، تبیان ص۱۶ الحنفیہ ص۴۳ ، حاشیہ مراح ص۲۸ ، مراح وعزی ص۴ ۔ [3] تبیان ص۱۶

سوال: فرق اوّل میں آپ نے بتایا کہ صیغۂ جمع میں الف، واوِ جمع اور واوِ عطف کے درمیان فرق کے لئے لاتے ہیں حالانکہ اس کے ذریعہ فرق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ واوِ عطف منفصل ہوتاہے اور واوِ جمع فعل سے متصل ہوتاہے۔ لہٰذا الف کے ذریعہ فرق کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔؟

جواب: یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ واوِ جمع ہمیشہ فعل سے متصل ہو۔ بلکہ منفصل بھی ہوتاہے جیسے حَضَرُوْا۔ خَصَرُوْا دونوں میں دیکھئے واوِ جمع منفصل ہے اگر الف واوِ جمع کے بعد نہیں لایا جائے تو کیسے معلوم ہوگا کہ واوِ جمع ہے یا واوِ عطف اس لئے الف دونوں مثالوں میں فرق کرنے کے لئے ہے۔[1]

سوال: آپ نے ابھی بیان کیا کہ صیغۂ جمع میں واؤ کے بعد الف لایا جاتاہے تو قرآن مجید میں اٰذَیْتُمُوْنَا اسی طرح صَلٰوۃ، نَتْلُوۃ آیا ہے ان سب مثالوں میں واؤ کے بعد الف نہیں آیا جبکہ آپ نے کہا کہ دونوں میں فرق کے لئے آتاہے۔ لہٰذا یہاں کیا بات ہے۔؟

جواب: اس کے متعلق علامہ شمس الدّین وصاحبِ الحنفیہ لکھتے ہیں کہ اس کے لئے کچھ قاعدہ ہے وہ یہ کہ اگر واوِ جمع کے بعد ضمیر نہ ہو تب الف لکھا جائے گا۔ یا یہ کہ واوِ جمع طرف (کنارے) میں واقع ہو تو اس وقت الف لکھا جائیگا۔ لہٰذا مذکورہ مثالوں میں واوِ جمع کے بعد ضمیر ہونے کی بناء پر الف نہیں لکھا گیا:۔

بِاَنَّ کِتَابَۃَ الْاَلِفِ بَعْدَ وَاوِ الْجَمْعِ لَیْسَتْ بِجَارِیَۃٍ عَلَی الْاِطْلَاقِ[2]۔ الخ

سوال: واوِ جمع اور واوِ عطف میں فرق کے لئے الف ہی کیوں مقرر کیا؟

جواب: عبد الحیٔ لکھتے ہیں کہ حروف تہجی میں پہلی نظر الف پر

---

[1] فلاح ص۳۹، حاشیہ مراح ص۲۸، الحنفیہ ص۴۳۔

[2] الحنفیہ ص۴۳، حاشیہ مراح ص۲۸، فلاح ص۳۹۔

پڑی۔ لہٰذا جب اس کو اختیار کر لیا تو دوسرے حرف کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زیادتی کے لئے حُرف علت ہیں اور حروف علت میں سب سے خفیف الف ہے۔ اس لئے زیادتی میں زیادہ مناسب و موزوں اسی کو سمجھا گیا۔[1]

سوال صیغۂ واحد مونث غائب فَعَلَتْ میں تاء کیوں آتی ہے؟

جواب صاحب تبیان اس کے جواب میں یوں لکھتے ہیں کہ مؤنث فاعل پر دلالت کرنے کے لئے تاء کو متعین کیا کیونکہ تاء ساکنہ مونث کی علامت ہے۔ علّامہ ابنِ کمال پاشا لکھتے ہیں کہ مذکر و مؤنث میں فرق کرنے کے لئے تاء ساکنہ کا اضافہ کیا گیا۔[2]

سوال حرف تاء کو علامت تانیث کیوں قرار دیا؟

جواب مؤنث اور تاء میں ایک مناسبت پائی جاتی ہے اس طرح کہ مؤنث کی تخلیق دوسرے نمبر پر ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسکے بعد حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے وجود میں لایا گیا۔ لہٰذا مؤنث کی تخلیق دوسرے درجہ میں ہوئی اور تاء کا مخرج وسط فہم (زبان کی نوک ثنایا علیا کی جڑ) ہے جو دوسرے نمبر پر ہے۔ اس مناسبت کی بناء پر تاء علامت تانیث قرار پائی اسی کو شیخ احمد بن سلیمان ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔ جُعِلَتِ التَّاءُ عَلَامَةً لِلْمُؤَنَّثِ ...... لِاَنَّ التَّاءَ مِنَ الْمَخْرَجِ الثَّانِیْ وَهُوَ الْوَسَطُ وَالْمُؤَنَّثُ اَیْضًا اَیْ کَالتَّاءِ ثَانٍ فِی التَّخْلِیْقِ[3] الخ

سوال ابھی آپ نے بتایا کہ مذکر و مؤنث میں فرق کے لئے تاء ساکنہ کا صیغہ مؤنث میں اضافہ کیا۔ اس کا برعکس کیوں نہیں کر دیا کہ تاء کا اضافہ مذکر میں

---

[1] تبیان ص۱۶ [2] فلاح ص۴، تبیان ص۱۶، حاشیہ مراح ص۲۹، (ہندو پریس دہلی)

[3] فلاح ص۴، الحنفیہ ص۲۲، تبیان ص۱۶، مراح و عزی ص۲۔

کرنے اور مؤنث کو تاء سے خالی رکھتے اس طرح بھی فرق ہو سکتا تھا؟

جواب اس کے متعلق علامہ شمس الدین لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادتی سے خالی ہونا اصل ہے اور زیادہ ہونا فرع ہے تو مذکر اصل اور مؤنث فرع ہے اس لئے اصل کے لئے اصل (زائد سے خالی رہنا) دیا گیا اور فرع کے لئے فرع (زیادتی حرف) کو اختیار کیا گیا تاکہ باہم تعادل و تناسب رہے[1]۔

سوال علامت تانیث کے لئے تاء زائدہ مقرر کرنا اس وجہ سے کہ وہ مخرج ثانی ہے تو تاء کے علاوہ سین وغیرہ بھی حروف تھے تو اس کو کیوں نہیں اختیار کیا؟

جواب آپ کی بات بجا ہے مگر تاء کی ترجیح میں دوسری وجہ یہ ہے کہ تاء حروف مدّولین سے بدل جاتی ہے جو کہ زیادتی کی اصل ہے جیسے اِتَّسَرَ اصل میں اِیْتَسَرَ تھا۔ باب افتعال کی یاء کو تاء سے بدل کر تاء میں ادغام کر دیا۔ یہ تبدیلی دوسرے حرف میں نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسا کیا گیا۔ اسی کو محشی لکھتے ہیں: فَخُصُّوا التَّاءَ کَذٰلِکَ لِاَنَّهَا (ای التاء) تبدل۔ الخ[2]

سوال صیغۂ واحد مؤنث فعلت وغیرہ میں تاء ساکن کیوں ہے؟

جواب علامہ شمس الدین لکھتے ہیں کہ تاء حرف ہے اور تمام حروف مبنی ہوتے ہیں اور مبنی میں اصل سکون ہے اس لئے تاء کو ساکن کیا۔ دوسرا جواب علامہ عبدالحیٔ اور صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ فَعَلَتْ وغیرہ میں اگر تاء کو ساکن نہیں کریں گے تو ایک ہی کلمہ میں لگاتار چار حرکات لازم آئیں گے جو کہ جائز نہیں اور فعل چونکہ حدوث، فاعل اور زمانہ پر دلالت کرنے کی وجہ سے ثقیل

---

[1] فلاح ص۲۰، الحنفیہ ص۴۴، حاشیہ مراح ص۲۹۔

[2] حاشیہ مراح ص۲۹، تبیان ص۱۶

ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنے کے لئے بطور تخفیف تاء کو ساکن کیا جو کہ ثقالت میں تخفیف کا باعث ہے۔

سوال صیغۂ واحد مؤنث فَعَلَتْ میں جو تاء ہے کیا یہ ضمیر کی تاء ہے۔؟

جواب فَعَلَتْ جیسے ماضی کے واحد مؤنث میں تاء کو ضمیر کی تاء قرار دینا درست نہیں کیونکہ فاعل ظاہر کی صورت میں وہ تاء حذف نہیں ہوتی۔ چنانچہ کہتے ہیں ضَرَبَتْ هِنْدٌ اگر ضمیر کی تاء ہوتی تو فاعل ظاہر کے وقت حذف ہونا لازم و ضروری ہوتا کیونکہ ضمیر کی زیادتی کا مقصد فاعل پر دلالت کرنا ہے۔ اس لئے جب فاعل ظاہر ہے تو ایسے دال کی ضرورت نہیں جو اس پر دلالت کرے اور اگر ضمیر کی تاء مان لی جائے تو فاعل ظاہر کے وقت دو فاعل جمع ہو جائیں گے حالانکہ ایک فعل دو فاعل کا تقاضا نہیں کرتا۔ لہٰذا تاء کے بعد فاعل ظاہر کا آنا تاء ضمیر کے نہ ہونے کی صریح دلیل ہے[1]۔

سوال فَعَلَتْ کی تاء کو ضمیر اور اسم ظاہر (فاعل) کو اس سے بدل قرار دینا کیوں جائز نہیں جبکہ اس صورت میں دو فاعل کا تحقق نہیں ہوتا۔

جواب اس تاء کو ضمیر قرار دینا ممکن ہی نہیں کیونکہ بالاجماع مستتر متحقق کے درجہ میں ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے هِنْدٌ ضَرَبَتْ اس صورت میں دو فاعل جمع ہوں گے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر ضمیر کی تاء مان لی جائے تو وہ ضمیر بارز (ظاہر) ہوگی اور ایک کلمہ میں ضمیر بارز اور مستتر کا اجتماع ہونا لازم آئیگا اور یہ بالاجماع ناجائز ہے[3]۔

---

[1] فلاح ص۴۰، الحنفیہ ص۴۵، تبیان ص۱۶، حاشیہ مراح ص۳، شرح المفصل جز ۷، ص۵، سیرو

[2] الحنفیہ ص۴۵ و ۴۶، فلاح ص۴۳ و ۶۴، مراح وعزی ص۴

[3] حاشیہ مراح ص۵، الحنفیہ ص۴۶، فلاح ص۶۴

سوال صیغہ تثنیہ فَعَلَتَا میں الف اور تاء کہاں سے آگئے؟

جواب پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ تاء تو علامت مؤنث ہے جیسا کہ واحد مؤنث غائب کے تحت گزر چکا اور الف تثنیہ کی علامت اور فاعل کی ضمیر ہے۔[1]

سوال صیغہ جمع مؤنث غائب فَعَلْنَ سے متکلم مع الغیر فَعَلْنَا تک میں لام کا ساکن کیوں ہوتا ہے جبکہ ماضی کا آخر مبنی علی الفتح ہوتا ہے؟

جواب تاکہ ایک کلمہ میں لگاتار چار حرکتوں کا جمع ہونا لازم نہ آئے۔ کیونکہ کلمہ واحدہ میں (خواہ وہ فعل ہو یا اسم) پے درپے چار حرکتوں کا جمع ہونا اہل لسان پر باعث ہوتا ہے۔ اس لئے حرکتِ لام ناجائز ہے۔ چنانچہ شیخ احمد بن سلیمان ان الفاظ میں رقم طراز ہوتے ہیں: لَا یَجُوْزُ اَنْ یَجْتَمِعَ اَرْبَعُ حَرَکَاتٍ مُتَوَالِیَاتٍ۔ الخ[2]

سوال فَعَلْنَ وغیرہ میں چار حرکتیں ایک کلمہ میں جمع نہیں ہیں کیونکہ فَعَلْنَ کا نون مفتوح تو مستقل علیحدہ کلمہ ہے پھر چار حرکتوں کا ایک کلمہ میں اجتماع کہاں ہوا؟

جواب وہ نون فاعل کی ضمیر ہے اور فاعل فعل کے ایک جزو کی طرح ہے۔ جیسے فَعَلْنَ اصل میں دو کلمہ ہیں ایک فعل دوسرا ضمیر فاعل مگر ضمیر کا فعل سے شدت اتصال کی بناء پر کلمہ واحدہ کے مانند ہو گیا اس لئے اس میں بھی لام کلمہ کو ساکن کر دیا۔[3]

سوال فعلن کے نون کو ساکن کر دیتے تو مذکورہ خرابی کا ازالہ ہو جاتا پھر بھی حرکت کیوں دی گئی؟

---

[1] تبیان ص۱۶ [2] فلاح ص۲۱۔ تبیان ص۱۶، الحنفیہ ص۴۵، حاشیہ مراح ص۳۰ مراح وغیرہ ص۲۰۔ [3] الحنفیہ ص۴۵۔ فلاح ص۲۱۔

جواب اوّل جواب شیخ عبدالحیٰ یہ دیتے ہیں کہ یہ نون جمع مؤنث کی علامت ہے اور علامت میں کسی طرح کا تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ نون حرف نہیں جیسا کہ وہم ہوتا ہے بلکہ وہ نون اسم ہے اور اسم جب مبنی ہوتا ہے تو مبنی علی الحرکت ہوتا ہے اس لئے حرکت دی گئی۔[1]

سوال اگر فعلن کے عین کلمہ کو ساکن کر دیا جاتا تو پے در پے چار حرکات لازم نہیں آتے پھر بھی ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب پے در پے چار حرکات کا ہونا نون کی وجہ سے پیدا ہوا اور یہ امکان بسبب علامت اس میں ممکن نہ ہوا۔ لہٰذا نونَ کے قریب لام کلمہ کو ساکن کیا۔[2]

سوال صیغہ تثنیہ مؤنث ضربتا میں تو پے در پے چار حرکات جمع ہیں جبکہ ممنوع ہے حالانکہ یہاں درست ہے۔ ایسا کیوں؟

جواب یہاں تاء کی حرکت الف کی وجہ سے ہے تاکہ اجتماع ساکنین لازم نہ آئے گویا وہ ساکن کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ اس کا واحد ضربت ساکن ہے۔[3]

سوال اس میں تو تاویل کر کے نکل گئے لیکن ضَرَبَکَ میں بھی تو پے در پے چار حرکات جمع ہو رہے ہیں؟

جواب یہ لفظ ایک کلمہ نہیں ہے کیونکہ ضرب فعل ایک کلمہ اور ک (کاف) ضمیر مفعول دوسرا کلمہ اور اس کا فعل سے اتصال قوی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس طرح توالی اربع حرکات جائز ہے۔[4]

سوال ھُدَبِدُ بضم الھاء وفتح الدال وکسر الباء (سفید شیر کا نام ہے) میں بھی مسلسل چار حرکات ہیں۔ حالانکہ یہ ناجائز ہے؟

---

[1] الحنفیہ ص۴۵، تبیان ص۱۶ [2] تبیان ص۱۶۔ [3] فلاح ص۴۲۔ الحنفیہ ص۴۶ تبیان ص۱۶ [4] تبیان ص۱۷، الحنفیہ ص۴۷، فلاح ص۴۲، مراح دعزی ص۳۔

جواب شیخ شمس الدین و علامہ عبد الحئی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اس کی اصل ھُدَ ابِدَ ہے۔ قصر کے واسطے الف کو حذف کر دیا توسع کلام کی وجہ سے۔ لہٰذا اس میں بھی توالی حرکات اربعہ نہیں "برائے قصر الف را دور کردند"۔[1]

سوال صیغہ جمع مؤنث غائب فَعَلْنَ وغیرہ سے تاء علامت تانیث کیوں حذف کر دیا جبکہ صیغہ واحد اور تثنیہ کے مطابق فَعَلْتَنَ بالتخفیف کیوں نہیں کیا؟

جواب اس لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ ایک کلمہ میں تانیث کی دو[۲] علامات کا اجتماع نہ ہو جائے ایک تاء دوسرا نون۔ کیونکہ یہ ثقالت کا باعث ہے اسی وجہ سے ایک علامت تاء کو حذف کر دیا اور اگر تاء پر اکتفا کرتے تو صیغہ واحد مؤنث غائب سے التباس لازم آتا اور اگر لام کو ساکن کر کے تاء کو متحرک کرتے تو صیغہ واحد مذکر و مؤنث حاضر و متکلم سے التباس ہوتا۔ اسی کو صاحب الحنفیہ ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں: اِنَّمَا حُذِفَتِ التَّاءُ فِیْ ضَرَبْنَ لِئَلَا تَجْتَمِعَ عَلَامَتَا التَّانِیْثِ[2] الخ

سوال حُبْلَیَاتٌ جو حُبْلٰی کی جمع ہے اس میں بھی دو[۲] علامت تانیث ایک یاء جو الف سے بدل گئی۔ دوسری تاء جمع ہیں حالانکہ یہ ناجائز ہے پھر یہاں ایسا کیوں؟

جواب دو[۲] علامت تو جمع ہیں مگر اس میں دو[۲] علامت ایک جنس کی نہ ہونے کی بناء پر ثقیل نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ مُسْلِمَاتٌ میں دو[۲] علامت تانیث تاء ایک جنس سے پائی جاتی تھی کیونکہ مُسْلِمَةٌ سے اس کی اصل مُسْلِمَتَاتٌ ہے۔ لہٰذا دو[۲] علامت ایک جنس سے مکروہ ہونے کے باعث

---

[1] فلاح ص۴۲، الحنفیہ ص۴۸، تبیان ص۱۷، مراح وغیرہ ص۲

[2] الحنفیہ ص۴۸، فلاح ص۴۳، تبیان ص۱۷۔

ایک کو حذف کر دیا[1]

سوال فَعَلْنَ میں اگر تاء کو باقی رکھتے تو اس میں بھی ایک جنس کی علامت نہیں تھی پھر بھی کیوں حذف کر دیا؟

جواب علامہ کمال پاشا وغیرہ قلم طراز ہیں کہ حذف اور عدم حذف کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اسم میں اگر ایک جنس کی دو علامات جمع ہوں گی تو ایک علامت حذف کر دی جائے گی جیسے مُسْلِمَاتٌ میں اور اگر ایک جنس سے نہ ہو الگ الگ ہو تو دونوں علامات برقرار رہیں گی جیسے حُبْلَیَات اور فعل میں ۲ علامت اگرچہ ایک جنس سے ہو یا علیحدہ ہو مطلقاً ایک علامت حذف کر دی جائے گی۔ جیسے فَعَلْنَ وغیرہ میں اس لئے کہ فعل اسم کے مقابلہ میں حدوث، زمان اور فاعل پر دلالت کرنے کی وجہ سے ثقیل ہوتا ہے۔ لہٰذا تخفیف کے باعث فعل میں مطلقاً ۲ علامات کا پایا جانا ممنوع ہے۔[2]

سوال جمع میں حُبْلیٰ کے الف کو یاء سے بدل کر حُبْلَیَاتٌ کیوں کیا الف کو برقرار رکھتے؟

جواب اگر یاء سے نہیں بدلیں گے تو حالت جمع میں ۲ الف جمع ہونے کی وجہ سے اجتماع ساکنین لازم آتا اور لامحالہ حذف کرنا پڑتا حالانکہ اس کا حذف کرنا جائز نہیں کیونکہ وضع کے اعتبار سے جزء کلمہ کے قائم مقام ہوتا ہے رہی بات واؤ سے نہ بدلنے کی تو ۲ وجہ سے حُبْلیٰ کے الف کو واؤ سے نہ بدل کر یاء سے بدلا۔ چنانچہ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یاء تانیث کی علامت ہوتی ہے۔ جیسے هٰذِی۔ لہٰذا تانیث الف مقصورہ سے یاء کی مناسبت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یاء حرف واؤ کے مقابلہ میں خفیف ہے اور ثقل کی بہ نسبت خفیف

---

[1] الخنفیہ ص۴۸، تبیان ص۱۷۔ [2] فلاح ص۴۳، الخنفیہ ص۴۹، تبیان ص۱۷

سے بدلنا اولیٰ اور بہتر ہے اس لئے یاء سے بدلا۔[۱]

سوال فَعَلْنَ میں نونِ جمع مؤنث کی علامت کس طرح ہے؟

جواب اس میں جمع مؤنث کی ضمیر هُنَّ کا نون ہے۔ لہٰذا جمع مؤنث کی علامت نون قرار دیا گیا۔ چنانچہ علامہ عبد الحیؒ اپنی کتاب میں ارقام فرماتے ہیں: "نون بَرْهُنَّ دلالت میکند کہ ضمیر جمع مؤنث است"۔[۲]

سوال صیغۂ واحد مذکر حاضر فَعَلْتَ میں حرف تاء زائد کیوں لائے؟

جواب وہ تاء واحد مذکر حاضر کی ضمیر اور فعل کا فاعل ہے اسی کو صاحب تبیان نے بیان کیا ہے۔[۳]

سوال اس تاء پر حرکت کیوں دی گئی ساکن کر دیتے؟

جواب شیخ عبد الحیؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ساکن کی صورت میں صیغۂ واحد مؤنث غائب فَعَلَتْ کے مشابہ ہو جاتا جس کی بناء پر دونوں میں التباس ہو جاتا اس لئے حرکت دی گئی۔ راقم الحروف کے نزدیک صاحبِ تبیان کا جواب سوال کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں اجتماع ساکنین لازم آئے گا کیونکہ لام کلمہ بھی ساکن ہے۔ لہٰذا اگر تاء ضمیر کو حرکت نہ دی گئی تو لام کلمہ اور ت ضمیر میں اجتماع ساکنین لازم آئے گا جو کہ درست نہیں اس لئے واضعین نے اس سے بچنے کے لئے مذکر حاضر کے تاء کو متحرک کیا۔[۴]

سوال پھر یہ بتائیے کہ حرکت میں فتحہ ہی کیوں اختیار کیا کسرہ وغیرہ دیتے؟

جواب اوّل جواب یہ ہے کہ اس میں اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل واحد

---

[۱] الخفیہ ص۴۹، تبیان ص۱۷ [۲] تبیان ص۱۷ [۳] تبیان ص۱۷۔

[۴] تبیان ص۱۷۔ و اضافۂ مؤلف۔

مذکر حاضر مفتوح کی تاء ہے تو چونکہ اَنْتَ مفتوح تھا۔ اس لئے وہ بھی مفتوح ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حرکات میں فتحہ مذکر کے شایانِ شان اور اس کی مناسبت سے ہے کیونکہ یہ غالب و فائق رہتا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اس میں فتحہ کے علاوہ دیگر حرکات کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ کسرہ دیا جائے تو مؤنث حاضر سے التباس لازم آئے گا اور اگر ضمہ دیا جائے تو واحد متکلم سے التباس ہوگا۔ لہٰذا لامحالہ فتحہ ہی دینا پڑا۔[1]

سوال ضمہ بھی غالب و فائق رہتا ہے۔ لہٰذا صیغہ مذکر حاضر میں ضمہ دے دیتے؟

جواب ضمہ قوی ہوتا ہے اور چونکہ متکلم سے کلام کا صدور و ظہور ہوتا ہے اس لیے یہ بھی قوی لہٰذا ضمہ متکلم کے مناسب اور شایانِ شان ہے اس لئے قوی کو قوی دینا اولیٰ ہے۔ چنانچہ صیغہ متکلم کو ضمہ دیا گیا۔ اب اگر مذکر حاضر میں بھی ضمہ دیتے تو دونوں میں التباس لازم آتا۔ چنانچہ صاحب تبیان لکھتے ہیں کہ "ضمہ قولیست و متکلم ہم قوی است چہ صدور کلام از دست"۔[2]

سوال تثنیہ مذکر و مؤنث حاضر دونوں کے لئے ایک ہی صیغہ کیوں متعین کیا علیحدہ علیحدہ کیوں نہیں؟

جواب صاحبِ فلاح و علاّمہ مہدیؒ لکھتے ہیں کہ تثنیہ مفرد کی بہ نسبت قلیل الاستعمال ہے اس لئے کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا۔ دوسری وجہ یہ ہے ایجاز و اختصار کے پیش نظر مذکر و مؤنث دونوں کے ایک ہی ضمیر اَنْتُمَا وضع کیا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ دونوں کا لفظ ظاہر بھی ایک ہو کیونکہ ضمیر ظاہر کے قائم مقام ہوتی ہے۔ لہٰذا مذکر و مؤنث حاضر کے لئے ایک ہی صیغہ متعین کیا گیا۔

---

[1] تبیان ص۱۷ مع اضافۂ مؤلف [2] تبیان ص۱۷

لِقلّۃِ الاِستعمالِ فِی التثنیۃِ المخاطبۃِ بِالنِّسبۃِ اِلَی المُفردِ وَوَضعُ الاِضمارِ لِلاِیجازِ[1] الخ

سوال مذکورہ نکتہ کے مُطابق جمع مذکر و مؤنث حاضران دونوں کیلئے بھی ایک صیغہ متعین کرتے مگر الگ الگ صیغے ہیں ایسا کیوں؟

جواب جمع کے صیغوں میں مذکر و مؤنث دونوں کو برابر یعنی ایک نہیں کیا گیا اس لئے کہ صیغے کا مختلف ہونا افراد کی قلّت وکثرت کے اعتبار سے جمع کے معنی میں فرق پر دلیل ہے۔ بخلاف صیغہ تثنیہ کے کہ اس کے مفہوم قلیل وکثیر میں کوئی تفاوت وفرق نہیں ہوتا کیونکہ تثنیہ دو افراد کے لئے نص اور صریح ہے۔

لِیَکُونَ اِختِلافُ الصِّیغَۃِ[2]

سوال تثنیہ مذکر و مؤنث کے لئے ایک ہی صیغہ متعین کرنے کی صورت میں باہم التباس لازم آئے گا اس کا ازالہ کیسے ہوگا؟

جواب علاّمہ مہدی لکھتے ہیں کہ تثنیہ کا استعمال قلیل ہے کیونکہ تثنیہ متردد وغیر مستقر ہے اس طرح کہ اگر فرق کے لئے اس سے ایک حرف کم کردیا جائے تو صیغہ واحد بن جائے گا اور اگر ایک حرف زائد کردیا جائے تو وہ جمع بن جائے گا۔ لہٰذا اس میں ثبات واستقرار اکثر احوال میں نہیں رہا اسی لئے تثنیہ مؤنث حاضر کے لئے دوسری علامت نہیں لائی گئی اس وجہ سے اس کا التباس بھی قلیل ہوا۔ لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ مزید تحقیق ماسبق میں چودہ صیغوں پر منحصر کرنے کے تحت آچکی ہے۔ بغور مطالعہ کیجئے جو کہ رفع اشکال وازالۂ خلجان کے لئے معین ثابت ہوگا۔[3]

سوال فَعَلْتُمَا میں الفِ تثنیہ سے پہلے میم کا اضافہ کیوں کیا گیا

---

[1] فلاح ص۴۴، الحنفیہ ص۵۰، تبیان ص۱۷، حاشیہ مراح ص۳۲۔

[2] فلاح ص۴۴، [3] الحنفیہ ص۵۰، تبیان ص۱۷

جبکہ قیاس کے مطابق فَعَلْتَا ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ اس کا واحد بھی میم سے خالی ہے ؟

جواب الف سے قبل میم کا اضافہ اس لئے کیا تاکہ الف اشباع (جو درازی فتحہ کے سبب پیدا ہوتا ہے) سے التباس لازم نہ آئے جیسے شاعر کا قول :

اَخُوْكَ اَخُوْ مَكَاشَرَةٍ وَضِحْكٍ فَحَيَّاكَ الْاِلٰهُ فَكَيْفَ اَنْتَا

فَاِنَّكَ ضَامِنٌ بِالرِّزْقِ حَتّٰى تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَاضَمِنْتَا

ترجمہ : تمہارا بھائی مسرت وشادمانی تبسم وخندہ پیشانی کا پیکر تھا ۔ خدا تم کو سلامت رکھے کہ تیرا حال کیسا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ تو میرے رزق کا ضامن ہے تاآنکہ ہر نفس اور تو بھی مرجائے ۔

اوّل شعر کے دوسرے مصرعہ میں اَنْتَا یہ اَنْتَ ہے ۔ مگر وزن شعری کے لئے درازی فتحہ سے الف اشباع ہوگیا ۔ لہٰذا اگر میم کا اضافہ نہ ہوگا تو یہ جاننا مشکل ہوگا کہ الف تثنیہ ہے یا الفِ اشباع [1]

سوال اگر یہی بات تھی تو تثنیہ مذکر غائب فَعَلَا میں بھی الف سے پہلے میم کا اضافہ کرتے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ؟

جواب علامہ عبدالحئی لکھتے ہیں کہ اس کے دو۲ جوابات ہیں اول جواب یہ ہے کہ ذکرِ مرجع کے قرینہ سے صیغۂ غائب میں فرق ہوجاتا ہے ۔ اس لئے میم کا اضافہ نہیں کیا جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ وزَیْدَانِ ضَرَبَا ۔ بخلاف حاضر کے کہ اس صیغہ سے پہلے مرجع مذکور نہیں ہوتا ۔ اس لئے یہاں فرق کے لئے میم کا اضافہ کیا ، دوسرا جواب یہ ہے کہ بعد الوقوع کے نکات میں جامعیت کا لحاظ نہیں رہتا ۔

" درضرب وضربا بقرینۂ ذکر مرجع فرق حاصل است " الخ ۔ [2]

سوال اضافہ کے لئے میم کو خاص کیا ۔ دوسرا حرف کیوں نہیں زائد کیا ؟ ۔

جواب شیخ احمد بن سلیمان کہتے ہیں کہ ضَرَبْتُمَا میں اَنْتُمَا

---

[1] الخفیہ ص۵۱ ، تبیان ص۱۷ ، فلاح ص۴۴ [2] تبیان ص۱۸

ضمیر پوشیدہ ہے جو کہ ضمیر مرفوع منفصل تثنیہ حاضر کی مناسبت سے ہے کیونکہ اس میں بھی میم ہے۔ لہٰذا اصل صیغہ میں بھی حرف میم کا اضافہ کیا تاکہ باہم مناسبت واضح ہوجائے۔ لِاَنَّ تَحْتَهٗ اَنْتُمَا مُضْمَرٌ فَزِيْدَتِ الْمِيْمُ لِيُنَاسِبَ لِمَاتَحْتَهٗ ؛ اس طرح کی مزید باتیں ضمائر کے نکات میں دیکھئے۔[1]

سوال فَعَلْتُمَا وَفَعَلْتُمْ فَعَلْتُنَّ میں تَاء کو ضمہ کیوں دیا۔ جبکہ واحد اَنْتَ میں فتحہ ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ فَعَلْتُمَا وغیرہ میں تَاء کو ضمہ نہ دے کر فتحہ دیا جائے۔؟

جواب حرف تَاء فاعل کی ضمیر ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے نیز رفع وضمہ دونوں مترادف حرکت ہیں۔ لہٰذا فاعل کی مناسبت سے دیدیا گیا۔ البتہ صیغۂ واحد مذکر فَعَلْتَ میں ضمیر فاعل موجود ہوتے ہوئے مفتوح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس میں ضمہ دیا جائے تو صیغہ متکلم سے التباس لازم آئے گا اس لئے محض خوفِ التباس سے ضمہ نہیں دیا گیا لیکن صیغہ تثنیہ وجمع میں کوئی التباس نہیں اسلئے حرکت اصلیہ ضمہ پر باقی رکھا اور بعض صرفین نے حرف تَاء کے مضموم ہونیکی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ ضمہ میم کی موافقت کی وجہ سے ہے کیونکہ میم شفوی (یعنی اوپر کے ہونٹ) ہوتا ہے اور ضمہ بھی شفوی اس اعتبار سے دونوں میں ایک مناسبت پائے جانے کی بناء پر تَاء کو ضمہ دیا گیا۔[2]

سوال فَعَلْتُمْ میں میم کیوں زائد کیا جبکہ الف اشباع سے التباس کا خوف نہیں ہے۔؟

جواب علامہ مہدی وصاحبِ تبیان لکھتے ہیں کہ اس میں میم کا اضافہ اس لئے کیا تاکہ زیادتیٔ میم میں صیغۂ تثنیہ کے موافق ہوجائے اور یہ رعایت موافقت

---

[1] فلاح ص۴۵ ، الحنفیہ ص۵۱ ، تبیان ص۱۸ ، حاشیہ مراح ص۳۳۔

[2] الحنفیہ ص۵۲ ، فلاح ص۴۶ ، تبیان ص۱۸

اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ تثنیہ اور جمع میں ایک مناسبت ہے کیونکہ دونوں واحد کی فرع ہیں: إِنَّمَا زِيدَتِ الْمِيمُ فِيْ ضَرَبْتُمْ لِيَكُوْنَ مُوَافِقًا لِلتَّثْنِيَةِ الخ[۱]

سوال آپ کے بیان کے مُطابق اِس میں میم زائدہ ہے تو پھر جمع کی علامت کہاں گئی۔؟

جواب معترض صاحب آپ ذرا سانس لیں۔ اس میں علامت جمع مذکر واؤ محذوف ہے، محذوف پر دلیل یہ ہے کہ اتصال مفعول بہ کی ضمیر کے وقت حرفِ واؤ عود کر جاتا ہے جیسے ضَرَبْتُمُوْهُ وَاٰذَيْتُمُوْنَا اسی طرح فَعَلْتُمْ کی اصل فَعَلْتُمُوْا تھی مگر واؤ طرف (کنارہ) میں واقع ہونے اور اس کے ماقبل مضموم ہونے کی بناء پر واؤ کو حذف کر دیا اور میم مضموم کو ساکن کر دیا شیخ ابن یعیش کہتے ہیں کہ محض تخفیفاً واؤ کو حذف کیا اور ماقبل کو سکون دیا۔[۲]

سوال واؤ علامت جمع ہے اور حَذْفُ الْعَلَامَةِ لَا يَجُوْزُ یعنی علامت حذف نہیں کی جاتی تو پھر اس صیغہ سے واؤ حذف کرنا کیسے جائز ہوگیا۔

جواب علاّمہ احمد بن سلیمان صاحب الحنفیہؒ لکھتے ہیں کہ فَعَلْتُمُوْا میں میم اسم کے قائم مقام ہے اور اسم کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم نہیں ہوتا اس لئے واؤ کو حذف کر دیا اسی وجہ سے (کہ اسم متمکن کے آخر میں واؤ ماقبل ضمہ نہیں پایا جاتا ہے) دَلْوٌ کی جمع اَدْلٍ لائی گئی۔ حالانکہ اس کی اصل اَدْلُوٌ بروزن اَفْعُلٌ جمع قلت ہے۔ لہٰذا اسم کے قائم مقام (فَعَلْتُمُوْا کا میم) کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم پایا گیا تو اس ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا اور ماقبل کسرہ ہونے کی بناء پر واؤ کو یاء سے بدل دیا۔ پھر یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے اس کو ساکن

---

[۱] الحنفیہ ص۵۳، تبیان ص۱۸، حاشیہ مراح ص۳۴ (ہندو پریس دہلی)

[۲] شرح المفصل جزء۳، ص۹۲، الحنفیہ ص۵۳، فلاح ص۴۶، تبیان ص۱۸۔

کر دیا یَاء اور تنوین میں التقاء ساکنین ہوا۔ اس لئے یاء کو حذف کر دیا۔ اَدَلٍ ہوگیا۔[1]

سوال اس نکتہ کے تحت ضَرَبُوا کے واؤ کو کیوں نہیں حذف کیا جبکہ اس میں بھی واؤ ماقبل مضموم ہے؟

جواب شیخ ابن کمال پاشا وصاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ اس میں باء اصلی مادہ ہے اور فعل کے آخر میں ہے اور ہم نے ماسبق میں شرط حذف اسم کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم کہا ہے اور اس میں فعل کے آخر میں واقع ہو رہا ہے جیسے یَغْزُوْا یَدْعُوْا ان دونوں میں بھی واؤ کو حذف نہیں کیا گیا اس لئے کہ دونوں فعل ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ضَرَبُوْا وغیرہ میں واؤ اسم کے قائم مقام نہیں ہے۔ کیونکہ وہ فعل کا جزو ہے لِاَنَّ بَاءَ لَيْسَتْ بِمَنْزِلَةِ الْاِسْمِ لِاَنَّهَا جُزْءٌ مِّنَ الْفِعْلِ۔ الخ[2]

سوال ضَرَبْتُمُوْهُ وَاَذَيْتُمُوْنَا میں واؤ کو حذف کیوں نہیں کیا باوجودیکہ میمِ اسم کے قائم مقام اور اس کے ماقبل مضموم بھی ہے جیسا کہ ضَرَبْتُمُوا میں؟

جواب آپ کا اشکال عدم یادداشت پر مبنی ہے۔ کیونکہ حذفِ واؤ کے لئے دو شرائط ہیں:

(۱) اسم یا قائم مقام اسم کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم ہو۔

(۲) وہ واؤ جمع طرف یعنی کنارہ میں واقع ہو۔

معترض صاحب آپ کی مثال ضَرَبْتُمُوْهُ وَاَذَيْتُمُوْنَا میں اگرچہ حذف کی پہلی شرط پائی جا رہی ہے۔ مگر دوسری شرط مفقود ہے کیونکہ دونوں

---

[1] الحنفیہ ص۵۳، فلاح ص۴۷، حاشیہ مراح ص۳۵

[2] فلاح ص۴۸، الحنفیہ ص۵۴ حاشیہ مراح الارواح ص۳۵

مثالوں میں واؤ کے بعد ضمیر آرہی ہے۔ لہٰذا شرطِ حذف وقوعِ طرف نہیں پایا گیا اور قاعدہ ہے اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ یعنی جب شرط مفقود تو مشروط وملزوم بھی مفقود یہی وجہ ہے کہ غِطَایَۃ کی یاء کو ہمزہ سے نہیں بدلا اس لئے کہ واؤ اور یاء کا ہمزہ سے بدلنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ واؤ یا یاء طرف میں واقع ہو لیکن گول تا (ۃ) لاحق ہو جانے کی وجہ سے طرف سے خارج ہو گیا۔[۱]

سوال اگر حقیقت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو ضَرَبْتُمُوْہُ کا واؤ حکمِ طرف میں واقع ہے اس لئے کہ وہ ضمیر لازم نہیں ہے۔؟

جواب آپ کی بات درست ہے کہ وہ ضمیر صیغہ کے ساتھ لازم نہیں کیونکہ وہ ضمیر ساقط بھی ہو جاتی ہے اور کبھی ثابت بھی تاہم یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ شرائطِ حذف میں وقوعِ طرف شرط ہے نہ کہ حکمِ طرف۔ لہٰذا اس کے ذریعہ اعتراض کرنا درست نہیں۔ لٰکِنَّهَا فِیْ حُکْمِ الطَّرَفِ لِاَنَّ الضَّمِیْرَ غَیْرُ لَازِمٍ۔ الخ[۲]

سوال فَعَلْتِ صیغۂ واحد مؤنث حاضر میں تاء کیوں لائی گئی؟

جواب تاکہ اَنْتِ ضمیر مرفوع منفصل واحد مؤنث حاضر پر دلالت کرے جو کہ فعل کا فاعل ہے۔ چنانچہ علامہ عبد الحئی اپنے الفاظ میں قلم طراز ہیں: دال است بر انتِ وضمیر واحد مؤنث مخاطب۔ الخ[۳]

سوال مؤنث کی ضمیر پر کسرہ کی حرکت کیوں آتی ہے کیا کوئی اور حرکت نہیں ملی؟

جواب معترض صاحب آپ خفا نہ ہوں حرکات تو اور بھی ہیں لیکن کسرہ کی مناسبت مؤنث سے اس طرح ہے کہ کسرہ نیچے والی حرکت کو کہتے ہیں

---

[۱] الحنفیہ ص۵۴، فلاح ص۴۸، حاشیہ مراح الارواح ص۳۵

[۲] مہدیہ ص۵۴، حاشیہ مراح ص۳۵ [۳] تبیان ص۱۸

اور مؤنث چونکہ مغلوب وماتحت ہوتا ہے گویا یہ بھی نیچے اس لئے مؤنث کے لئے کسرہ کا انتخاب کیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسرہ جزءِ یاء ہے۔ دو۲ کسرہ کے مجموعہ کا نام ی ہے اور یا علامتِ تانیث ہے جیساکہ ھٰذِی میں ہے۔ لہٰذا کسرہ اور تانیث میں باہم مناسبت کی بنا، پر کسرہ کو مؤنث کے ساتھ چسپاں کیا گیا۔ [۱]

سوال فَعَلْتُنَّ میں نون جمع مؤنث حاضر کی علامت ہے اور فَعَلْنَ میں جمع مؤنث غائب کی علامت تو صیغۂ حاضر میں نون مشدد کیوں ہے جبکہ صیغۂ غائب میں ایسا نہیں؟

جواب آپ کے سوالات سے ہم حیران رہ جاتے ہیں پھر بھی جواب سنئے کہ تثنیہ میں چونکہ میم زائد تھا تو موافقت تثنیہ کی بنا، پر صیغۂ جمع میں بھی میم کا اضافہ ہوا کیونکہ جمع تثنیہ پر محمول ہوتا ہے۔ لہٰذا فَعَلْتُنَّ کی اصل فَعَلْتُمَنَّ ہوئی میم اور نون قرب مخارج کی بنا، پر میم کو نون سے بدل کر باہم ادغام کر دیا۔ فَعَلْتُنَّ ہوگیا جیساکہ لفظ عَمْبَرْ (نام خوشبو) اصل میں عنبر تھا نون کو میم سے بدل دیا عَمْبَر ہوگیا۔ [۲]

فائدہ:

فَعَلْتُنَّ صیغۂ جمع مؤنث حاضر میں دو۲ حرف کا اضافہ ہوا تاکہ جمع مذکر حاضر ضَرَبْتُمُوْا کے مساوی ہو جائے کیونکہ اس میں بھی دو۲ حروف زائد ہیں۔ بخلاف صیغۂ جمع مؤنث غائب ضَرَبْنَ کے کہ جمع مذکر غائب میں ایک حرف زائد ہے اس لئے مؤنث میں بھی مساوی کی غرض سے ایک حرف زائد کیا۔ بعض صرفین نے ضَرَبْتُنَّ کی اصل ضَرَبْتُنَ نون مخففہ بتایا ہے۔ اس لئے تثنیہ ضَرَبْتُمَا میں حرف میم کا اضافہ الف اشباع سے التباس کی بنا، پر ہوا تھا اور یہاں یہ خوف نہیں۔ چنانچہ نون سے

---

[۱] ھدیہ ص۵۵ فلاح ص۴۸، تبیان ص۱۸، حاشیہ مراح ص۳۵۔ (ہندو پریس دہلی)
[۲] تبیان ص۱۸ شرح المفصل جز ۳ ص۸۶ بتصرف

پہلے ساکن کیا تاکہ ماضی و مضارع کے تمام نونِ مؤنث کے ماقبل (جیسے ضَرَبْنَ وَيَضْرِبْنَ تَضْرِبْنَ میں) ساکن ہونے میں موافق ہو جائے لیکن حاضر کی تاء کو ساکن کرنا ممکن نہیں کیونکہ تاء خطاب اور باء اصلیہ میں اجتماع ساکنین لازم آنے کی وجہ سے تاء خطاب حذف کرنا پڑتا جو کہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ علامت حذف نہیں کی جاتی۔ لہٰذا شکل اوّل سے یہ نتیجہ نکلا کہ التّاءُ لَاتُحْذَفُ یعنی تاء خطاب حذف نہیں کی جائے گی۔ لامحالہ بعد التاء ایک نون ساکن زائد کیا تاکہ تمام نوناتِ مؤنث سے مطابقت ہو جائے پھر ایک جنس سے دو حرف جمع ہونے کے باعث باہم ادغام کر دیا ضَرَبْتُنَّ ہو گیا یہی بات دل کو بھی لگتی ہے۔ چنانچہ شیخ ابن سلیمان لکھتے ہیں: قِيْلَ اَصْلُهٗ ضَرَبْتُنَّ بِتَخْفِيْفِ النُّوْنِ فَاُرِيْدَ اَنْ يَكُوْنَ سَاكِنًا لِيَطَّرِدَ بِجَمِيْعِ نُوْنَاتِ النِّسَآءِ فِىْ اِسْكَانِ مَاقَبْلَهَا[1] الخ۔

سوال فَعَلْتُنَّ کے دونوں نون کے درمیان کوئی فرق ہے یا نہیں؟

جواب شیخ مہدی الحنفیہ میں لکھتے ہیں کہ دونوں نون میں باہم فرق ہے اوّل نون ساکنہ زائدہ اور ثانیہ علامت ہے نیز پہلا نون حرف ہے اور دوسرا نون اسم ہے کیونکہ وہ ضمیر فاعل ہے: بَيْنَ النُّوْنَيْنِ فَرْقٌ وَهُوَ اَنَّ النُّوْنَ الْاُوْلٰى زَائِدَةٌ وَالثَّانِيَةَ عَلَامَةٌ وَاَيْضًا اَنَّ النُّوْنَ الْاُوْلٰى حَرْفٌ وَالثَّانِيَةَ اِسْمٌ لِاَنَّهٗ ضَمِيْرُ الْفَاعِلِ[2]۔

سوال فَعَلْتُ صیغہ واحد متکلم میں تاء کیوں زائد کیا؟

جواب علامہ عبدالحیؒ و ابنِ کمال پاشا وغیرہ لکھتے ہیں کہ اس کے تحت انا ضمیر ہے باوجودیکہ اَنَا میں کوئی حرف نہیں ہے۔ کیونکہ ان حروف میں سے کسی زائد کرنا ممکن نہ تھا اس لئے کہ زائد کے لئے اَنَا کا الف لیا جائے تو تثنیہ مذکر غائب

---

[1] فلاح ص۴۹، الحنفیہ ص۵۶، حاشیہ مراح ص۳۶ [2] مہدیہ ص۵۷

سے التباس لازم آتا اور اگر نون زائد کیا جاتا تو جمع مؤنث غائب سے اشتباہ لازم آتا۔ لہٰذا لامحالہ اَنَا میں سے کوئی حرف نہ لے کر حرف تَاء کو اختیار کیا تاء کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس کے اخوات کی صیغہ حاضر سے مناسبت ہے لِاَنَّ تَحْتَهٗ اَنَا مُضْمَرٌ وَلٰكِنْ لَا يُمْكِنُ الزِّيَادَةُ مِنْ حُرُوْفِ اَنَا لِلْاِلْتِبَاسِ[1] الخ

سوال صیغہ متکلم کے لئے اَنَا ضمیر منفصل کیوں وضع کیا گیا؟

جواب صاحب الخنفیہ لکھتے ہیں کہ متکلم مبدا کلام (یعنی اس سے کلام کی ابتداء ہوتی ہے) ہے اور ہمزہ بھی مبدا مخارج اس مناسبت سے اس ضمیر کے شروع میں ہمزہ کو اختیار کیا گیا۔ اس کے ساتھ نون کا اضافہ بایں وجہ ہوا کہ حرف نون غنہ ہونے کی وجہ سے حروف مدولین سے اقرب المشابہت رکھتا ہے اور نون کے بعد الف کا اضافہ کیا گیا تاکہ حرکتِ نون کی وضاحت ہو جائے اور حالت وقف میں بھی اس پر دلالت کرے اِعْلَمْ اَنَّمَا وُضِعَ اَنَا لِلْمُتَكَلِّمِ لِاَنَّ الْمُتَكَلِّمَ لَهٗ مَبْدَأُ الْكَلَامِ۔ الخ[2]

سوال صیغہ واحد متکلم فَعَلْتُ میں فَعَلْتُ کی تاء کو ضمہ کیوں دیا گیا کوئی دوسری حرکت دیتے؟

جواب صاحبِ تبیان لکھتے ہیں کہ حرف تاء ضمیر فاعل ہے اور علمِ نحو میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ الہٰذا حرکتِ فاعل کی مناسبت اور تقاضے سے ضمہ دیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صیغہ متکلم میں ضمہ کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس لئے کہ اگر تاء پر فتحہ دیتے ہیں تو صیغہ واحد مذکر حاضر سے التباس لازم آتا ہے اور اگر کسرہ دیا جائے تو مونث حاضر سے اشتباہ۔ لہٰذا لامحالہ ضمہ کی

---

[1] فلاح ص۲۹، الخنفیہ ص۵۷، حاشیہ مراح ص۳۶۔ (ہندو پریس دہلی) تبیان ص۱۸

[2] مھدیہ۔ ص۵۸۔

حرکت منتخب کرنے کے علاوہ کوئی صورت ہی نہیں۔[1]

سوال آپ کے جواب کا آخری جزئیہ کہ کسرہ دینے پر واحد مؤنث حاضر سے التباس لازم آتا تو اس کے برعکس مؤنث حاضر میں ضمہ اور متکلم میں کسرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب محترم آپ کا اعتراض بجا نہیں ہے کیونکہ جس طرح کسرہ اور مؤنث میں مناسبت ہے اسی طرح صیغۂ متکلم اور ضمہ میں ایک تعلق و نسبت ہے اور صیغۂ غائب، حاضر اور متکلم میں متکلم اقویٰ ہے اور حرکات فتحہ، ضمہ، کسرہ میں ضمہ اقویٰ ہے۔ لہٰذا دونوں میں مناسبت ہونے کی بناء پر اقویٰ کو اقویٰ دیا گیا اور کسرہ چونکہ یاء کی بہن ہے اور یاء مؤنث کے لئے ہے جیسے هٰذِیْ چنانچہ ان دونوں میں مناسبت ہونے کی بناء پر مؤنث کے لئے کسرہ کا انتخاب کیا گیا۔ اسی کو شیخ مہدیؒ اپنے الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں: لَمْ يَعْكِسْ لِاَنَّ الْمُتَكَلِّمَ اَقْوٰى وَالضَّمَّ اَيْضًا اَقْوٰى بِالْحَرَكَاتِ فَتَنَاسَبَا الخ

سوال صیغہ جمع متکلم فَعَلْنَا میں نون کا وجود کیسے اور کیوں ہوا؟

جواب اس میں ضمیر منفصل نحن پوشیدہ ہے۔ لہٰذا اس پر دلالت کرنے کے لئے بطور مختصر اس کا نون لے لیا گیا مگر اس صورت میں چوں کہ صیغہ جمع مؤنث غائب فَعَلْنَ سے التباس لازم آتا اس لئے نون کے بعد الف زائد کر دیا گیا۔ صاحبِ تبیان لکھتے ہیں کہ الف کا اضافہ متکلم مع الغیر میں اس لئے بھی ہوا تاکہ لفظ کی زیادتی معنیٰ کی زیادتی پر دلالت کرے یہی وجہ ہے کہ فَعَلْنَ کی بہ نسبت فَعَلْنَا کے معنی میں زیادتی ہے کیونکہ یہ تثنیہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ بخلاف فَعَلْنَ کے کہ صرف جمع پر دلالت کرتا تثنیہ پر نہیں۔

---

[1] دیکھئے تبیان ص۱۸ مع اضافہ، الحنفیہ ص۵۷ شرح المفصل جزء۳، ص۸۶ بتغیر

زِیْدَتْ فِیْ اٰخِرِهٖ الْاَلِفُ لِرَفْعِ الْاِلْتِبَاسِ الخ [1]

سوال دفع التباس کے لئے اس کا برعکس صیغہ جمع مؤنث غائب میں الف کا اضافہ کیوں نہیں کیا؟

جواب برعکس نہ کرنے کے متعلق صاحبِ الحنفیہ ارقام فرماتے ہیں کہ صیغہ جمع متکلم ضَرَبْنَا معنیٰ کے اعتبار سے صیغہ جمع مؤنث کے مقابلہ میں خفیف ہے۔ کیونکہ جمع متکلم کا اطلاق دو[2] اور اس سے زیادہ پر ہوتا ہے اس کے برخلاف صیغہ جمع مؤنث غائب کے کہ وہ تین سے کم پر دلالت نہ کرنے کی بنا، پر ثقیل ہوتا ہے۔ لہٰذا اخف میں الف کا اضافہ اولیٰ اور انسب ہونے کے باعث جمع متکلم ہی میں الف زائد کیا۔ [2]

سوال صیغہ فَعَلْنَا میں صرف نَحْنُ ضمیر پوشیدہ ہے یا کوئی اور لفظ؟

جواب مشہور و رائج تو یہی ہے کہ صیغہ جمع متکلم میں نَحْنُ ضمیر مرفوع منفصل محذوف ہے۔ لیکن علامہ شمس الدین فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کی آراء یہ ہے کہ اس میں اننا پوشیدہ ہے چنانچہ موصوف اس کو قِیْلَ سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "تَحْتَهٗ اَنَنَا مُضْمَرَةٌ" راقم الحروف کہتا ہے کہ اس کو ماننے کی صورت میں پھر فَعَلْنَا میں زیادتیٔ الف کے تاویل کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ اتنا کہنا کافی ہوگا کہ فَعَلْنَا میں اننا ضمیر سے الف اور نون ایک ساتھ زائد کر دیئے گئے۔

سوال صیغہ متکلم فَعَلْنَا وغیرہ میں مذکر و مؤنث دونوں ہوتے

---

[1] الحنفیہ ص۵۸، تبیان ص۱۸-۱۹، فلاح ص۴۹، حاشیہ مراح ص۳۷

[2] الحنفیہ ص۵۸، حاشیہ مراح ص۳۷، ہند پریس دہلی۔

ہیں تو پھر مذکر و مؤنث میں التباس سے امتیاز کی کیا صورت ہے۔؟

جواب یہ التباس قلیل ہے اور قلیل التباس کے ازالہ کے لئے مشاہدہ کافی ہوا کرتا ہے یعنی متکلم چونکہ اکثر حالات میں دیکھا جاتا ہے یا آواز کے ذریعہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مذکر ہے یا مؤنث اس لئے کہ مذکر کی آواز مؤنث کی آواز سے بہت کم مشابہت رکھتی ہے۔ چنانچہ صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ لِاَنَّ الْمُتَكَلِّمَ يُرٰى فِىْ اَكْثَرِ الْاَحْوَالِ اَوْ يُعْلَمُ بِالصَّوْتِ۔ الخ [1]

سوال اس جواب کے اعتبار سے متکلم کے لئے تو ایک ہی صیغہ کافی تھا پھر متکلم کے لئے دو[2] صیغے کیوں ہیں۔؟

جواب شیخ عبدالحئیؒ بن عبدالحلیم فرماتے ہیں کہ صیغہ واحد تثنیہ اور جمع اور تثنیہ و جمع میں دونوں میں ایک نسبت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا تخالفِ صیغ میں جہاں تک ممکن ہوتا ہے واحد کے لئے علیحدہ صیغے مقرر کرتے ہیں۔ "واحد مخالف است مر تثنیہ و جمع را و میان تثنیہ و جمع مناسبتے است[2]"

سوال مذکر اور مؤنث میں بھی تخالف ہے اس کے باوجود دونوں کیلئے علیحدہ علیحدہ صیغے کیوں نہیں متعین کئے۔؟

جواب صاحبِ تبیان جواب میں فرماتے ہیں کہ نکات بعد الوقوع میں جامعیت کا پاس و لحاظ نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اختصار اور عدم التباس اور باہم اتحاد کے سبب دونوں صیغوں کو ایک کر دیا گیا۔



---

[1] الحنفیہ ص۶۰، تبیان ص۱۹، فلاح ص۵۲ [2] تبیان ص۱۹

ضمائر کے نکات

سوال کُل ضمیریں کتنی ہیں جبکہ بعض ساٹھ[۶۰] اور بعض ستر[۷۰] کے قائل ہیں۔؟

جواب دونوں قول صحیح ہیں اس طرح کہ جو ستر[۷۰] کے قائل ہیں وہ چودہ[۱۴] صیغوں کے چودہ[۱۴] ضمائر علیحدہ علیحدہ شمار کرتے ہیں۔ اور جو ساٹھ[۶۰] کے قائل ہیں وہ بارہ[۱۲] ضمیریں شمار کرتے ہیں کیونکہ تثنیہ مذکر غائب ومؤنث دونوں کی ضمیر ایک ہی آتی ہے اسی طرح تثنیہ مذکر ومونث حاضر دونوں کی ایک ہی ضمیر ہے۔ لٰہذا موخر الذکر حضرات غائب میں سے ایک اور حاضر میں سے ایک شمار کرتے ہیں اور دو[۲] ضمیریں ان کے نزدیک متروک ہوجاتی ہیں اس اعتبار سے کُل ساٹھ ضمیریں ہوئیں۔ مؤلف

سوال ضمیر کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب صاحبِ الحنفیہ فرماتے ہیں کہ ضمیر اسم ظاہر کے مقابلہ میں آتی ہے اور اسم ظاہر کی تین[۳] قسمیں ہیں (۱) **مرفوع** (۲) **منصوب** (۳) **مجرور**۔ پھر اوّل دو[۲] کی دو[۲] دو[۲] قسمیں ہیں۔

مرفوع متصل[۱]، مرفوع منفصل[۲]، منصوب متصل[۳]، منصوب منفصل[۴]۔ مجرور متصل[۵]۔ یہ کُل پانچ قسمیں ہوئیں۔ اس طرح ایک ایک قسم کی بارہ[۱۲] بقول بعضے چودہ[۱۴] ضمیریں نکلیں گی چنانچہ بارہ[۱۲] کو پانچ میں ضرب دینے سے ساٹھ[۶۰] اور چودہ[۱۴] سے ستر[۷۰] ضمیریں ہوجائیں گی۔[۱]

---

[۱] الحنفیہ ص ۵۹، ۶۱۔ فلاح ص ۵۰۔

سوال ضمیر کی چھ قسمیں ہونی چاہیئے پانچ مذکورہ اور چھٹی قسم مجرور منفصل آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب معترض صاحب آپ کی بات تو عقل کو لگتی ہے۔ مگر ایسا اس لئے نہیں کہ مجرور منفصل کی صورت میں مجرور کا جار پر مقدم ہونا لازم آئے گا۔ مثلاً مَرَرْتُ بِزَيْدٍ میں جب مجرور منفصل کریں گے تو مَرَرْتُ زَيْدٍ بِ کہنا پڑے گا اور یہ درست نہیں بلکہ صحیح مَرَرْتُ بِزَيْدٍ ہی ہے۔ اسی وجہ سے کلام عرب میں ضمیر مجرور منفصل نہیں آئی (برخلاف مرفوع و منصوب منفصل کے کہ ان میں عامل رافع و ناصب پر مقدم ہونا جائز ہے۔) جس کی اول وجہ یہ ہے کہ مجرور و جار سے بہت زیادہ متصل ہونے کی وجہ سے ایک جزو کی طرح ہو گیا اور کسی شئی کا جزو مقدم نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا مجرور جار سے مقدم نہیں ہو سکتا اور جب مقدم نہیں ہو سکتا تو مجرور منفصل نہ ہونا یقینی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جار یا تو حرف ہے یا مضاف اور مجرور اسم ظاہر، جار سے جدا نہیں ہوتا۔ اس لئے مظہر کا قائم مقام ضمیر مجرور بھی علیحدہ نہیں ہوگی۔ چنانچہ ضمیر مجرور منفصل نہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔ بخلاف ضمیر مرفوع و منصوب کے کہ ان دونوں کا اسم ظاہر عامل سے جدا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: زَيْدًا ضَرَبْتُ اور هُوَ ضَرَبَ اسی کو شیخ مہدی ان الفاظ میں قلم طراز ہیں: "تَقْدِيْمُ الْمَجْرُوْرِ عَلَى الْجَارِ لَا يَجُوْزُ حَتّٰى لَا يُقَالُ مَرَرْتُ زَيْدٍ بِ فِيْ قَوْلِكَ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ فَلِاَجْلِ هٰذَا لَمْ يَجِئِ الْمَجْرُوْرُ الْمُنْفَصِلُ فِيْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ الْمَرْفُوْعِ۔" الخ۔ [1]

سوال مرفوع متصل و منفصل اور بقیہ قسموں کی اٹھارہ اٹھارہ ضمیریں ہونی چاہیئے کیونکہ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ چھ مذکر و مؤنث غائب اور چھ مذکر و مؤنث

---

[1] الحنفیہ ص۵۹، فلاح ص۵۰، حاشیہ مراح الارواح ص۳۸۔ (ہندو پریس دہلی۔)

حاضر اور چھ متکلم کے لئے اس طرح کل ضمیریں نوّے ہوتی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ؟

جواب محترم آپ کی بات تو کسی حد تک درست ہے مگر ایسا نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ مذکر و مؤنث غائب دونوں کی ضمیر ایک ہی آتی ہے اس لئے دو کو ایک مانا گیا۔ اسی طرح تثنیہ مذکر و مؤنث حاضر کی ضمیر ایک ہی ہے اس لئے اس میں سے بھی ایک اور متکلم کے لئے صرف دو صیغے رکھے گئے۔ کیونکہ متکلم اکثر احوال یا آواز کے ذریعہ دیکھا سنا جاتا ہے کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث تثنیہ ہے یا جمع۔ لہٰذا متکلم کی چھ ضمیروں میں سے دو۲ ضمیریں لی گئیں اور چار ضمیریں شمار میں چھوڑ دی گئیں۔ اسی طرح تثنیہ میں سے دو چھوڑ دی گئیں اس اعتبار سے چھ ضمائر شمار میں نہیں آئیں اس لئے ہر اقسام کی بارہ بارہ ضمیریں ہوئیں بارہ کو پانچ میں ضرب دینے سے ساٹھ ہو جائیں گی محشّی زنجانی چودہ ضمیریں شمار کرتے ہیں وہ صرف متکلم کی چھ ضمیروں میں سے چار کو شمار میں ترک کرتے ہیں [۱]

اشباع کی تعریف

حرکت کو اس طرح کھینچنا کہ زبر سے الف، زیر سے ی اور پیش سے واؤ کی آواز پیدا ہو جائے!

ھُوَ اور ھِیَ میں بصریین وکوفیین کا اختلاف

ضمیر مرفوع منفصل ھُوَ اور ھِیَ کی واؤ اور یاء میں بصریین وکوفیین کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بصریین حضرات یہ کہتے ہیں کہ ھُوَ میں واؤ اور ھِیَ میں یاء دونوں اصل کلمہ ہیں اشباع کے لئے نہیں کیونکہ حرف اشباع متحرک نہیں

---

[۱] فلاح ص۵۱، الحنفیہ ص۶۰، حاشیہ مراح ص۳۹ (ہندو پریس دہلی) زنجانی ص۱۵، مراح عربی ص۶

ہوتا۔ دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حروف اشباع بغیر ضرورت نہیں لائے جاتے اور دونوں میں واؤ اور یا مفتوح ہونے کی بنا پر مستقل کلمہ ہو گئے کیونکہ اگر ان دونوں پر حرکت نہ دی جائے تو دونوں حروف اشباع کے لئے ہو جائیں گے اور عدم مستقل کی صورت میں واؤ اور یا ساکن ہوں گے جیسے بِہِی وَانْہُو اس سلسلہ میں کوفیین کا نظریہ یہ ہے کہ دونوں میں واؤ اور یا اشباع کے لئے ہیں اور اصل ضمیر دونوں میں فقط ھاء ہے۔ چنانچہ اپنے اس قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ تثنیہ اور جمع کے وقت ھُوَ سے واؤ اور ھِیَ سے یاء حذف ہو جاتے ہیں اور ھُمَا ھُمْ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا کسی شئی کا حذف اور غائب ہونا عدم اصل کی دلیل ہے۔ شیخ رضی الدین استرابادی مذہب بصریین کے موقف کے قائل ہیں۔ چنانچہ دونوں مسلک لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

عِنْدَ الْبَصْرِیِّیْنَ مِنْ اَصْلِ الْکَلِمَۃِ وَعِنْدَ الْکُوفِیِّیْنَ لِلْاِشْبَاعِ وَالضَّمِیْرُ ھُوَ الْھَاءُ وَحْدُھَا ۔۔۔۔۔۔۔ وَالْاَوَّلُ ھُوَ الْوَجْہُ ۔ علامہ احمد بن سلیمان مسلک بصریین کو راجح قرار دیتے ہوئے کوفیین کی دلیل کا جواب بصریین کی جانب سے اس طرح دیتے ہیں کہ تثنیہ اور جمع میں حذف ہونا اصل کلمہ کے منافی نہیں "حَذْفُھُمَا فِی التَّثْنِیَۃِ وَالْجَمْعِ لَایُنَافِیْ کَوْنَھُمَا مِنْ اَصْلِ الْکَلِمَۃِ۔ الخ[1]

سوال مرفوع منفصل کی ضمیر تثنیہ ھُمَا اور جمع ھُمْ میں میم کا اضافہ کیسے ہوا جبکہ ھُوَ مفرد کے لحاظ سے تثنیہ ھُوَا اور جمع ھُوُوْا ھُوُوْا ہونا چاہیئے کیونکہ تثنیہ میں صرف الف اور جمع میں واؤ کا اضافہ ہوتا ہے؟

---

[1] شرح رضی جلد ۲ صفحہ ۱ بیروت ، الحنفیہ صفحہ ۱۱ ، فلاح صفحہ ۵۳
شرح المفصل جزء ۳ ، صفحہ ۹۶

جواب معترض صاحب! آپ کی بات بجاہے جیسا کہ بصریین کے موقف مع الدلیل سے واضح ہوا مگر واؤ اور میم کا مخرج (ہونٹ سے ادائیگی) ایک ہے اس لئے واؤ کو میم سے بدل دیا۔ اسی طرح جمع هُوُوا میں چونکہ دو واؤ (ایک واوِ ضمیر دوسرا واوِ جمع) کا جمع ہونا ناجائز ہے کیونکہ واؤ حروف علت میں زیادہ ثقیل اور اس کے ماقبل مضموم دونوں کا جمع ہونا زیادہ ثقل کے باعث ہونے کی بنا، پر هُوُوا کے اول واؤ کو میم سے بدل دیا هُمُوا ہوگیا پھر واؤ چونکہ طرف میں واقع ہے۔ دوسرے یہ کہ اسم کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم نہیں پایا جاتا ہے اس لئے واؤ کو حذف کر دیا۔ اور ماقبل واؤ نہ ہونے کی بناء پر میم کے ضمہ کو ساکن سے بدل دیا هُمْ ہوگیا۔ اس کی مزید تحقیق فعل ماضی معروف میں صیغہ فَعَلْتُمُوا کے تحت آچکی ہے۔[1]

سوال تثنیہ ضمیر "هُمَا" اور "هُمُوْ" میں الف کی زیادتی کیوں ہوئی جبکہ هُمَا اور هُمُوْ پر دلالت کرنے کے لئے ہاء اور میم کافی تھے؟

جواب صاحبِ تبیان جواب میں لکھتے ہیں کہ زیادتی میں اصل حروف علت ہے اس لئے الف اور واؤ ہی کو زائد کیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: "زیراچہ اصل در زیارت حروف علت اند۔"[2]

سوال تثنیہ ضمیر هُمَا میں ماقبلِ میم مضموم کیوں ہوتا ہے جبکہ اس کی اصل میں واؤ بھی نہیں ہے؟

جواب اس کے متعلق صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ میم شفویہ ہے۔ لہٰذا اس کے ماقبل بھی اسی جنس کی حرکت ضمہ شفویہ دی گئی اور چونکہ میم حرف

---

[1] مراح دعزی ص۶، الحنفیہ ص۶۲، فلاح ص۵۳، تبیان ص۱۵ حاشیہ مراح ص۲۰

[2] تبیان ص۱۵

صحیح ہے۔ اس لئے وہ حرکت قوی کا متحمل ہے[1]

سوال ضمیر "ھُمۡ" کونسا لفظ ہے ؟

جواب ھُمۡ حذف واؤ کے ساتھ ھُمُوۡا کا مختصر اور شارٹ کارٹ ہے اور اختصار اولیٰ ہوا کرتا ہے[2]

شیخ رضی الدّین شارحِ کافیہ کی باریک غلطی

فاضل علامہ شیخ رضی الدّین استر آبادی شارح کافیہ رقم طراز ہیں: کہ تثنیہ ضمیر "ھُمَا" مذہب بصریین کے مطابق ھوما ہونا چاہیئے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ بصریین مذہب کا موقف اصل کلمہ ھو ہے اور تثنیہ میں صرف الف کی زیادتی ہوتی ہے میم کی زیادتی کا کوئی تعلق نہیں ورنہ صیغہ تثنیہ فَعَلَا میں فَعَلَمَا کرنا ہوگا جو کہ صریح غلطی ہے چنانچہ شارح کافیہ ان الفاظ میں ارقام فرماتے ہیں: وَکَانَ قِیَاسُ الْمُثَنّٰی وَالْجَمۡعِ عَلٰی مَذْهَبِ الْبِصْرِیِّیْنَ هُوۡمَا۔ الخ[3]

صَاحبِ فلاح کی فحش غلطی

شیخ ابن کمال پاشا صاحب فلاح لکھتے ہیں کہ تثنیہ ضمیر ھُمَا میں الفِ تثنیہ کا الف اشباع سے دفع التباس کے لئے میم کا اضافہ کیا گیا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ ھُمَا میں زیادتی میم نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے واؤ کو میم سے بدلا گیا ہے۔ لہٰذا تثنیہ ضمیر کے متعلق زیادتی میم کہنا درست نہیں۔ موصوف کے قول میں تضاد ہے چنانچہ ایک جگہ خود لکھتے ہیں کہ واؤ اور میم میں قرب مخارج کی

---

[1] الحنفیہ ص۱۳، شرح رضی جلد ۲ ص۸ بیروت [2] تبیان ص۱۵ مع اضافہ

[3] شرح رضی جلد ۲ ص۱۰۔ بیروت

وجہ سے واؤ کو میم سے بدل دیا اور ایک جگہ علامہ رضی الدّین استرآبادی کی رو میں بہہ کر ھُمَا کی اصل ھُوْمَا تحریر کر گئے۔ چنانچہ فلاح کی عبارت ملاحظہ ہو۔
فَالْقِيَاسُ عِنْدَ الْبَصْرِيِّيْنَ اِذْ يُقَالُ فِى التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ هُوْمَا هُمُوْا[1]

سوال ضمیر جمع مؤنث غائب ھُنَّ میں نون مشدّد کیوں ہے؟

جواب علّامہ شمسُ الدّین فلاح میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی اصل ھُمَنَّ ہے میم اور نون کے قربِ مخارج کی وجہ سے میم کو نون سے بدل کر نون میں ادغام کر دیا۔ صاحبُ الحنفیہ لکھتے ہیں کہ صیغہ جمع مؤنث حاضر فَعَلْتُنَّ کے نون مشدّد کی جو علت ہے وہی علت اِس نون کے مشدّد ہونے کی ہے:
اَصْلُ هُنَّ هُمَنَ فَاُدْغِمَ الْمِيْمُ فِى النُّوْنِ[2] الخ

سوال ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر حاضر اَنْتَ کی تاء کو فتحہ کیوں دیا گیا؟

جواب علّامہ ابن یعیش نحوی شرح المفصل میں لکھتے ہیں کہ انت میں چونکہ تاء حرفِ خطاب سے پہلے ساکن تھا اس لئے حرکت کی ضرورت پڑی اور حرکت میں تخصیص فتحہ کی اوّل وجہ یہ ہے کہ صیغہ واحد مذکر حاضر فَعَلْتَ وَقَتَلْتَ کی تاء کے موافق ہو جائے کیونکہ اصل میں فتحہ ہے تو اس کی فرع ضمیر اَنْتَ میں بھی فتحہ ہی ہونا چاہیئے۔ دوسری وجہ یہ لکھتے ہیں بکہ جس طرح واؤ عطف فاء اور حروفِ معانی کے ہمزہ استفہام وغیرہ تخفیف کی بناء پر مفتوح ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی مفتوح کے مستحق ہوئے: وَخُصَّ بِالْفَتْحَةِ لِخِفَّتِهَا كَوَاوِ الْعَطْفِ وَفَائِهٖ وَهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ وَنَحْوِهِنَّ

---

[1] فلاح ص۵۳ تا ۵۴

[2] فلاح ص۵۵ الحنفیہ ص۶۶، شرح المفصل جزء ۳ ص۹۸، مراح وغیرہ ص۱۰

مِنْ حُرُوْفِ الْمُعَانِیْ وَلِتَکُوْنَ حَرْکَتُھَا کَالْتَاءِ فِیْ ضَرَبْتَ اِلٰخ[۱]

سوال اَنْتَ ضمیر مفرد ہے یا مرکب نیز اس کی تاء اسمیہ ہے یا حرفیہ؟

جواب شیخ ابن یعیش نحوی ارقام فرماتے ہیں کہ اَنْتَ ضمیر اَنْ اسمیہ اور تاء خطابیہ سے مرکب ہے جو کہ معنی اسمیہ سے مجرد ہے کیونکہ اگر تاء کو اسم مان لیا جائے تو وہ معرب ہو جائے گا اور وہ مرفوع منصوب، مجرور کا محل ہوگا جبکہ اس کا کوئی عامل رافع و ناصب نہیں اسی طرح اس کا عامل جر ہونا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ ضمیر ہے اور ضمیریں معرفہ ہونے کی بناء پر مضاف نہیں ہوتیں۔ لہٰذا جب موضع اعراب ہونا باطل ہو گیا تو اس تاء کا تاء اسمیہ ہونا بھی باطل۔ اس لئے اَنْتَ کی تاء ضَرَبْتَ کی تاء کی طرح نہیں ہے کیونکہ اَنْتَ کی تاء حرفیہ ہے اور ضَرَبْتَ کی تاء اسمیہ جس طرح کہ ذٰلِكَ اور النجاءكَ کا کاف حرفی ہے اور غُلَامُكَ وَصَاحِبُكَ کا کاف اسمی ہے۔ امام فراء نحوی کا اس سلسلہ میں موقف یہ ہے کہ "اَنْتَ" ضمیر مکمل اسم ہے۔ کیونکہ تاء اس کا ذاتی کلمہ ہے اور بعض حضرات و کوفیین اور ابن کیسان کہتے ہیں کہ ضمیر مرفوع تاء متصرفہ ہے اور اَنْ متصل و منفصل کے لئے ہے یعنی مرفوع متصل کی صورت میں صرف تاء، اور منفصل کی صورت میں ضمیر اَنت۔ چنانچہ شیخ رضی الدین ارقام فرماتے ہیں: مَذْھَبُ الْفَرَّاءِ اَنَّ اَنْتَ بِکَمَالِہٖ اِسْمٌ وَالتَّاءَ مِنْ نَفْسِ الْکَلِمَۃِ الخ[۲]

سوال ضمیر مؤنث مرفوع منفصل اَنْتِ کی تاء کو کسرہ کیوں دیا؟

جواب اوّل جواب یہ ہے کہ فتحہ چونکہ مذکر کو مل گیا اب ضمہ اور کسرہ کی حرکت بچ گئی ان دونوں حرکتوں میں سے کسرہ دیا کیونکہ ضمہ کی

---

[۱] شرح المفصل جزء ۳، ص ۹۵۔ بیروت

[۲] شرح رضی جلد ۲، ص ۱۰، شرح المفصل جزء ۳، ص ۹۵، بیروت۔ محرم آفندی جلد ۲، ص ۳۱ ملتان

بہ نسبت اخف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسرہ اور یاء میں مناسبت ہے۔ اور یاء مؤنث کے لئے ہے۔ اس بناء پر کسرہ کا انتخاب کیا۔[۱]

سوال تثنیہ ضمیر مرفوع منفصل خطاب اَنْتُمَا میں میم کا اضافہ کیوں جبکہ قاعدہ کے تحت اَنْتَ سے اَنْتَا ہونا چاہیئے؟

جواب آپ کی بات اعتراض کے تئیں درست ہے۔ چنانچہ میم کے اضافہ کے متعلق علّامہ شمسُ الدّین وصاحبِ الحنفیہ دو جوابات تحریر کرتے ہیں جس کو کہ صاحبِ تبیان شیخ عبدُالحیٔ نے بھی بیان کیاہے کہ تاء اور میم قریبُ المخارج ہیں کیونکہ میم کا مخرج دونوں ہونٹوں کی خشکی کا حِصّہ اور تاء کا مخرج زبان کی نوک ثنایا علیا کی جڑ۔ اس لئے میم کا اضافہ کردیا یا یہ کہ تثنیہ ضمیر غائب ھُمَا کی موافقت میں میم لایا گیا چونکہ ضمیر غائب میں میم ہے۔ لہٰذا خطاب میں بھی بوجہ موافقت اضافہ کیا گیا ـــــــ ایک جگہ صاحبِ الحنفیہ زیادتی میم کا سبب یہ لکھتے ہیں کہ الف تثنیہ کا الف اشباع سے دفع التباس کے لئے ایسا کیا گیا کیونکہ اَنْتُمَا میں میم زائد نہ کرنے کی صورت میں اَنْتَا ہوگا جس سے یہ شبہ رہ جائے گا کہ یہ الفِ تثنیہ ہے یا الفِ اشباع۔ یہی جواب زیادہ بہتر ہے صاحب شرح المفصل ارقام فرماتے ہیں کہ اَنْتُمَا میں میم کا اضافہ صیغۂ واحد سے تجاوز کے لئے کیا گیاہے اور چونکہ حرف میم حروف مد سے مشابہت رکھتاہے اس لئے میم کی زیادتی اولیٰ اور بہتر ہوئی۔ فَالْمِيْمُ لِمُجَاوِزَةِ الْوَاحِدِ وَكَانَتِ الْمِيْمُ اَوْلٰى لِشِبْهِهَا بِحُرُوْفِ الْمَدِّ۔ الخ[۲]

سوال ضمیر اَنْتُمْ جمع میں میم ساکن کیوں ہے؟

جواب جو علت وسبب ضمیر تثنیہ اَنْتُمَا میں اضافہ میم کی ہے

---

[۱] شرح المفصل جزء ۳، ص ۹۵ [۲] شرح المفصل جزء ۳، ص ۹۵ بیروت

[۲] الحنفیہ ص ۵۲ و ۱۳۹ فلاح ص ۴۵ تبیان ص ۱۸

وہی علت اس میں ہے کیونکہ وا حد سے تجاوز کرنے میں تشنیہ اور جمع دونوں برابر ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کی اصل اَنْتُمُوْا ہے۔ واؤ طرف میں واقع ہونے اور ماقبل ضمہ ہونے کی بناء پر واؤ کو حذف کر دیا۔ لہٰذا جب واؤ حذف ہو گیا تو میم کے لئے ضمہ کا کوئی ذریعہ نہیں اس واسطے ساکن رہ گیا۔ اس کی مزید تفصیل صیغہ جمع مذکر حاضر فَعَلْتُمُوْا کے تحت دیکھئے: زِیْدَتِ الْمِیْمُ فِی الْجَمْعِ وَهُوَ اَنْتُمْ حَمْلاً عَلَى التَّثْنِيَةِ الخ۔ [۱]

سوال آپ نے بیان کیا کہ جب واؤ اسم کے آخر میں ہو اور ماقبل ضمہ ہو تو طرف میں واقع ہونے کی بناء پر واؤ حذف کر دیا جائے گا جیسے ضَرَبْتُمُوْا سے ضَرَبْتُمْ تو "هُوَ" میں بھی یہ قاعدہ پایا جا رہا ہے پھر بھی یہاں حذف کیوں نہیں کیا جاتا؟

جواب اس کا جواب علّامہ ابنِ کمال پاشا اور صاحب الخنفیہ یہ دیتے ہیں کہ حروف کی صحیح مقدار تین حروف ہیں۔ لہٰذا اگر اس میں سے حذف کر دیا جائے گا تو حروف مقدارِ صحیحہ سے کم ہو جائیں گے اس لئے یہاں حذف نہیں کیا گیا۔ لِقَلَّةِ حُرُوْفِهٖ مِنَ الْقَدْرِ الصَّالِحِ اَیْ مِنَ الْمِقْدَارِ الَّذِیْ الخ [۲]

سوال ضمیر جمع مؤنث خطاب "اَنْتُنَّ" میں نون مشدّد کیوں ہے؟

جواب صیغہ جمع مؤنث حاضر فَعَلْتُنَّ میں چونکہ مشدد ہے اس لئے اس کی ضمیر میں بھی نون مشدّد ہو گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کی اصل اَنْتُمَنَّ ہے میم کو نون سے بدل کر نون میں ادغام کر دیا اَنْتُنَّ ہو گیا جو تحقیق فَعَلْتُنَّ کی ہے وہی اس کی ضمیر اَنْتُنَّ کی ہے۔ (ثاقب)

---

[۱] الخنفیہ ص۶۳، فلاح ص۵۴ [۲] فلاح ص۵۴، الخنفیہ ص۶۳

سوال: ضمیر اَنْتُمَا وَاَنْتُمْ وَاَنْتُنَّ کی تاء مرفوع کیوں ہوتی ہے؟

جواب: چونکہ یہ ضمیریں اپنے اپنے فعل فَعَلْتُمَا وَفَعَلْتُمْ فَعَلْتُنَّ میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور ان کی تاء مرفوع ہیں۔ لہٰذا ان کی فرع میں بھی تاء مرفوع ہوگی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ضمیر فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوا کرتا ہے اس لئے دونوں کی باہم مناسبت کے پیشِ نظر ضمہ کی حرکت دی گئی تاکہ توافق وتطابق واضح رہے[1]۔

سوال: ضمیر مرفوع منفصل واحد متکلم "اَنَا" کی تفصیلات بتائیں؟

جواب: شیخ رضی الدین استرآبادی ارقام فرماتے ہیں کہ اَنَا ضمیر مذکر و مؤنث متکلم کیلئے ہے۔ اس کے ہمزہ کو کبھی ھا سے بدل کر ھَنَا کہا جاتا ہے اسی طرح کبھی کبھی اس کا ہمزہ مد ہو جاتا ہے جیسے اٰنَا فَعَلْتُ اور کسی کلمہ سے ملنے کی صورت میں اس کا نون ساکن ہو جاتا ہے: وَقَدْ تُبْدَلُ هَمْزَتُهَا هَاءً نَحْوُ هَنَا وَقَدْ تُمَدُّ هَمْزَتُهُ[2] الخ

سوال: "اَنَا" ضمیر کے الف کے بارے میں بصریین و کوفیین کا کیا مسلک ہے؟

جواب: اس سلسلے میں بصریین کا موقف یہ ہے کہ اَنَا ضمیر میں ہمزہ اور نون مفتوحہ کے بعد الف لایا جائے گا تاکہ حالت وقف میں بھی فتحہ کی وضاحت ہو جائے۔ کیونکہ اگر الف نہ لایا جائے تو وقف کی صورت میں فتحہ ساقط ہو جائے گا چنانچہ نون ساکن ہونے کے باعث اَنْ حرفیہ سے التباس لازم آئے گا اس لئے الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے نیز یہ بھی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی نون

---

[1] فلاح ص۴۵، الحنفیہ ص۵۲ [2] شرح رضی جلد ۲ ص۹ بیروت

سَاکنہ پر بھی وقف کر دیا جاتا ہے اور کبھی بحالت وقف اس کے فتحہ کو ہاءِ سکتہ کی شکل میں لاتے ہیں مستدل میں حاتم کا قول پیش کرتے ہیں؛ هٰکذا فزدی (فصدی) اَنَهُ اِنْ کُنْتُ اَدْرِیْ فَعَلَیَّ بُدْنَه بَنُوْ تَمِیْم وصل کی صورت میں بھی اَنَا کے الف کو برقرار رکھتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات وصل کی صورت میں ضرورتاً الف ثابت رکھتے ہیں جیسے اَنَا سَیْفُ الْعَشِیْرَۃِ فَاعْرِفُوْنِیْ۔ حَمِیْدًا قَدْ تَذَرَّیْتُ السَّنَامَا یہاں ضرورت شعری کی بناء پر ہے۔ ابو علی فارسی نحوی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ہمزہ اور غیر ہمزہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ وصل کی صورت میں کسی بھی جگہ اَنَا کے الف کو ثابت نہ رکھا جائے۔

کوفیین حضرات یہ کہتے ہیں کہ اَنَا ضمیر میں نون کے بعد الف اصل کلمہ ہے یہ اور بات ہے کہ وصل کی صورت میں نون مفتوحہ یا ساکنہ اور ہاءِ سکتہ سے بدل جانے کے ساتھ اکثر و بیشتر الف گر جاتا ہے اور اس قول پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حالتِ وقف میں الف حرکت نون کو بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے دوسرے یہ کہ وہ زائد ہے۔[1]

سوال ضمیر مرفوع منفصل نَحْنُ کا نون متحرک مع الضم کیوں؟

جواب علامہ رضی الدین استرآبادی ارقام فرماتے ہیں کہ نَحْنُ تثنیہ و جمع مذکر و مونث دونوں کے لئے ضَرَبْنَا کے نا کی طرح آتا ہے۔ امام مفسر قرطبی محمد بن یزید کا قول لکھتے ہیں کہ نَحْنُ قَبْلُ وَبَعْدُ کی طرح ہے اس لئے کہ ضمیر نَحْنُ دو اور اس سے زیادہ کی خبر کے لئے ہوتا ہے۔ نون نَحْنُ کے متحرک ہونے کی وجہ زجاج نحوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تاکہ اجتماع ساکنین لازم نہ آئے کیونکہ ساکن نون کی صورت میں حاء اور نون کے مابین دو

---

[1] شرح رضی جلد ۲ صـ ۹ تا ۱۰ بیروت، شرح المفصل جزء ۳ صـ ۹۳-۹۴ بیروت

ساکن کا اجتماع لازم آئے گا اس لئے نون کو حرکت دی گئی اور حرکات میں نون کے لئے ضمہ اس لئے اختیار کیا گیا کہ نَحْنُ کے نون اور ضمہ میں مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس طرح کہ نَحْنُ جمع کے لئے ہوتا ہے اور علامت جمع واو ہے اور جنس واو ضمہ ہے اسی کو علامہ رضی یوں لکھتے ہیں: کہ یہ ضمیر مرفوع منفصل ہے۔ جو کہ مرفوع ہوتی ہے یا جمع پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضمہ دیا۔ جو واو کے مناسب ہے" وَقَالَ الزُّجَاجُ نَحْنُ لِجَمَاعَةٍ وَمِنْ عَلَامَةِ الْجَمْعِ الْوَاوُ وَالضَّمَّةُ مِنْ جِنْسِ الْوَاوِ فَلَمَّا اضْطَرُّوا اِلٰی حَرَكَةِ نَحْنُ لِاِلْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ[۱] الخ

نَحْنُ کی اصل

علامہ قرطبی ہشام بن معاویہ نحوی کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ نَحْنُ کی اصل نُحْنَ تھی قلب مکانی کرکے تا، کی حرکت نون کو اور نون کی حرکت حا، کو دے دی گئی۔[۲]

سوال نحن ضمیر جمع اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں مستعمل ہے۔ جبکہ خداوند قدوس کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے؟

جواب علامہ جار اللہ زمخشری فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا کے تحت اس اشکال کا جواب تحریر کرتے ہیں کہ کاف جمع لانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے لئے ہے۔ مزید قاضی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ میں يَسْطُرُوْنَ کی جمع ضمیر قَلَم کی طرف راجع ہے جو کہ واحد ہے۔ لہٰذا جمع ضمیر تعظیم کے لئے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جمع ضمیر کا استعمال قبل از تعظیم ہے نہ کہ تعدد ذات۔ جیسا کہ اردو میں ایک استاد وغیرہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔[۳]

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن قرطبی جز ۱ ص۱۴۲، شرح رضی جلد ۲ ص۱۰۔ بیروت

[۲] الجامع لاحکام القرآن قرطبی جز ۱ ص۱۴۲ [۳] حاشیہ مطول ص۲۹۰، تفسیر الکشاف جلد ۲ ص۲۱ بیروت۔ تفسیر ابی السعود جز ۴ ص۱۹۲، التفسیر الکبیر جز ۱۷، ص۱۹۷

ایک معرکۃ الآراء بحث

سوال ضمیر منصوب منفصل اِیَّاہُ اور اس کے اخوات میں نحویوں کا کیا اختلاف ہے؟

جواب صاحب محرم آفندی اور علّامہ رضی لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نحویوں کا زبردست اختلاف ہے۔ چنانچہ امام خلیل اخفش اور مازنی و ابو علی فارسی جیسے پایہ کے نحوی حضرات کہتے ہیں کہ اسم مضمر صرف "ایّا" ہے اور اس سے متصل اسماء ہیں جن کی اضافت "ایّا" کی طرف کردی جاتی ہے جیسے اِیّاہ و ایّا الشواب مگر یہ نظریہ ضعیف اور مخدوش ہے کیونکہ ضمائر مضاف نہیں ہوتے۔ امام زجاج نحوی اور سیرانی کہتے ہیں کہ ضمیر منصوب منفصل اِیّا اسم ظاہر ہے جو ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے اِیَّاکَ بِہٖ لَفْسَکَ کے معنیٰ میں ہوگا (جوکہ اسم ظاہر بعدہٗ ضمیر ہے۔)[1]

کوفیین کی رائے اس کے متعلق کوفیین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اِیَّاکَ، اِیَّاہُ اور اِیَّایَ یہ سب مکمل اسماء ہیں، مگر اس قول کی تردید شیخ رضی الدین استرآبادی اپنے الفاظ میں اس طرح کرتے ہیں هُوَضَعِيْفٌ اِذْلَيْسَ فِى الْاَسْمَاءِ الظَّاهِرَةِ وَلَا الْمُضْمَرَةِ مَا يَخْتَلِفُ اٰخِرُهٗ كَافًا وَهَاءً وَيَاءً انتھی یعنی کوفیین کی مذکورہ رائے ضعیف ہے کیونکہ جن اسماء کا آخر کاف (ك) ھاء (ہ) اور یاء (ی) سے بدلتے ہوں وہ نہ تو مکمل اسماء ظاہرہ ہیں اور نہ ہی اسماء مضمرہ۔ لہٰذا کوفیین کی ایک جماعت کا موقف درست نہیں۔ بعض کوفیین اور

---

[1] شرح رضی جلد ۲ صـ ۱۲ محرم آفندی جلد ۱ صـ ۲۷، تاج العروس جلد ۲ صـ ۳۷۴ فلاح صـ ۵۷، حاشیہ مراح صـ ۴۵ الاتقان جلد ۱ صـ ۴۲۳

ابن کیسان بصری نحوی اس موقف میں یہ فرماتے ہیں کہ اِیَّاهُ وَاِیَّاكَ وغیرہ میں ضمائر وہ ہیں جو اِیَّا سے ملحق ہوں اور لفظ اِیَّا ان ضمائر کے لئے ایک ستون اور کھمبا ہے تاکہ اس کے باعث ضمیر منفصل ہو سکے۔ شیخ رضی الدین شارح کافیہ اس جواب پر لکھتے ہیں کہ هٰذَا الْقَوْلُ لَيْسَ بِبَعِيْدٍ مِّنَ الصَّوَابِ یعنی بعض کوفیین اور ابن کیسان نحوی بصری کا مذکورہ موقف مع الدلیل کچھ کچھ صحیح ہے۔ اس کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ یہ ساری گفتگو ضمیر منصوب منفصل کے ہمزہ مکسورہ کی صورت میں ہے لیکن اِیَّای کا ہمزہ جس طرح مکسور ہوتا ہے اسی طرح کبھی مفتوح ہوتا ہے اور کبھی اس ہمزہ کو ھاء سے بدل کر هَيَّاكَ بھی کہا جاتا ہے ــــ اہمیت نہیں رکھتی[۱]

امام سیبویہ نحوی کا نظریہ

اس سلسلہ میں امام سیبویہ نحوی کا سب سے مستحکم اور قول فیصل یہ ہے کہ منصوب منفصل میں اسم ضمیر صرف "اِیَّا" ہے اور اس کا مابعد متصل حرف ہے جو مرجوع الیہ متکلم، حاضر اور غائب کی حالتوں پر دلالت کرتا ہے اسی قول کو علامہ نورالدین جامی نے اپنی گرانقدر تصنیف فوائد ضیائیہ میں اختیار کیا ہے جس کو علامہ محرم آفندی ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں: وَاخْتَارَ الشَّارِحُ فِیْ هٰذَا مَذْهَبَ سِیْبَوَیْهٖ۔[۲]

سوال سیبویہ مذہب کے پسندیدہ ہونے کی کیا دلیل ہے۔

جواب سیبویہ مذہب کے موقف کی تائید میں علامہ محرم آفندی رقم طراز ہیں کہ اس سلسلہ میں بعض محشی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ "اِیَّا" کا مابعد متصل (لواحق) اگر اسماء قرار دیئے جائیں (جیساکہ خلیل، اخفش مازنی نحوی کا مسلک ہے)

---

[۱] شرح رضی جلد ۲، ص ۱۳، محرم آفندی جلد ۲ ص ۲۷، فلاح ص ۵۸، حاشیہ مراح ص ۴۵ تاج العروس جلد ۲۰، ص ۳۷۴ [۲] محرم آفندی جلد ۲ ص ۲۷ ملتان، تاج العروس جلد ۲۰ ص ۳۷۴، تفسیر ابی السعود جز ۱ ص ۱۶، اتقان جلد ۱، ص ۴۲۳

توضمیر کی اضافت اسماء کی طرف لازم آئے گی جبکہ یہ کلام عرب میں ثابت نہیں لہٰذا جب یہ شق ختم اور باطل تو دوسری شق (اِیّا صرف ضمیر اور اس سے متصل لواحق حروف ہیں جو کہ مرجوع الیہ متکلم وغیرہ کے احوال پر دلالت کرتے ہیں) متعین ہے:

قَالَ بَعْضُ الْمُحَشِّیْنَ ــــ اِنَّ اللَّوَاحِقَ لَوْ کَانَتْ اَسْمَاءً لَزِمَ اِضَافَةٌ[1] الخ.

اِیّا کے متعلق مزید اقوال

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ زجاج نحوی کے نزدیک اِیّا اسم ظاہر ہے اور جمہور نحاۃ کہتے ہیں کہ یہ ضمیر ہے پھر اس میں بھی چار اقوال ہیں:

① یہ کہ اِیّا اور جو ضمیر اس سے متصل ہوتی ہے یہ سب مل کر بتمامہ ضمیر ہیں۔

② اِیّا تنہا ضمیر ہے اور اس کا مابعد اس سے مضاف شدہ اسم ہے۔

③ اِیّا اکیلا ہی ضمیر ہے اور اس کے مابعد ایسے حروف ہیں جو خطاب و غائب وغیرہ کی تفسیر کرتے ہیں۔

④ اِیّا عماد و ستون اور اپنے مابعد ضمیر کے لئے بطور سہارا ہے اور اس کا مابعد اصل ضمیر ہے۔[2]

اِیّا کے متعلق ابن جنّیؒ کا عُمدہ فیصلہ

ابن جنّی نحوی کہتے ہیں کہ ہم نے مذکورہ مختلف فیہ اقوال پر غور و فکر کیا تو اخفش نحوی کے علاوہ کسی کا مضبوط اور درست قول معلوم نہیں ہوا۔ چنانچہ خلیل نحوی کا موقف کہ "اِیّا اسم ضمیر ہے جو ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے" درست نہیں کیونکہ اضافت تعریف و تخصیص کے لئے آیا کرتی ہے اور مابعد جب ضمیر ہے تو اضافت کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ضمیر از خود

---

[1] محرم آفندی جلد ۲، ص ۲۷، ملتان

[2] الاتقان جلد ۱، ص ۴۲۳

اعلیٰ درجہ کا معرفہ ہے۔ لہٰذا اضافت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح جو حضرات اِیَّا اور بشمول مابعد کے اسمیت کے قائل ہیں" وہ بھی درست نہیں کیونکہ اِیَّاکَ وغیرہ کے کاف کا فتحہ مذکر کے واسطے اور کاف کا کسرہ مؤنث کے واسطے اَنْتَ ضمیر کے قائم مقام ہے تو جس طرح تاء اَنْتَ کے ماقبل اَنْ اسم ہے اور تاء حرف خطاب ہے اسی طرح اِیَّاکَ میں "اِیَّا" اسم ہے اور کاف حرف خطاب ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ اِیَّاکَ، اِیَّایَ، اِیَّاہ میں کاف یاء اور ھاء اسماء ہیں اور اِیَّا، کاف و یاء کے لئے بطور ستون ہیں۔ یہ بھی غیر پسندیدہ ہے۔ اس لئے اِیَّا، اَنَا، اَنْتَ، نَحْنُ ضمیر کے مانند ہے اور یہ تمام ضمائر منفصلہ ہیں تو چونکہ اَنَا، اَنْتَ لفظ مرفوع متصل کے مغائر ہیں جیسے قُمْتُ کی تاء اور قُمْنَا میں الف وغیرہ الفاظ ضمیر متصل کے ماسوا ہیں اور ان میں سے کوئی ایک عمود (کھمبا و سہارا) نہیں اسی طرح اَنْتَ میں ہے اور قُمْتُ وغیرہ میں تاء اسمیہ نہیں ہے بلکہ اس کے ماقبل اَنْ اسم ہے اور تاء حرف خطاب ہے اور اَنْ تاء کے لئے عماد نہیں۔ لہٰذا اِیَّا بھی اسم ہوگا اور اس کا مابعد حرف خطاب ہوگا۔ اور ابو اسحاق کا عندیہ کہ "اِیَّا اسم ظاہر ہے اور ضمیر کی طرف مضاف یہ بھی فاسد نظریہ ہے بایں وجہ کہ اِیَّا اسم ظاہر نہیں ہے کیونکہ اس پر اعراب نصب کے علاوہ کوئی دیگر اعراب نہیں صرف نصب پر منحصر ہے اور ہماری نگاہ میں کوئی ایسا اسم نہیں ہے جو مظہر ہو اور نصب پر منحصر ہو۔ البتہ بعض اسماء ظروف جیسے ذَاتَ مَرَّۃٍ وذاصباح اور چند مصادر کے جیسے سُبْحَانَ اللّٰہِ، مَعَاذَ اللّٰہِ لہٰذا اِیَّا نہ تو ظرف ہے اور نہ ہی مصدر جس کی بناء پر ان اسماء کے ساتھ داخل کرکے ان کے احکام جاری کردیئے جائیں۔ الحاصل اس سلسلہ میں ابو الحسن اخفش نحوی کا موقف درست اور لوہا لاٹ ہیکہ اِیَّا اسم مضمر ہے اور مابعد کاف یا ھاء وغیرہ اسم نہیں بلکہ خطاب کے لئے ذٰلِکَ وأرأیتک کی طرح ہے۔ ——— تاج العروس جلد ۲۰، صـ۳۷۵

اِیَّا مشتق ہے یا نہیں

ابو اسحاق اس کے مشتق کے قائل ہیں۔ چنانچہ ان سے جب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے مفہوم کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ اس کی کیا تاویل ہے تو کہا کہ حَقِیْقَتَكَ نَعْبُدُ اس سے مشتق ہونا ظاہر ہے ابن جنّی نے اس کی تردید کی ہے کہ یہ غیر پسندیدہ قول ہے کیونکہ تمام اسماء مضمرات مبنی غیر مشتق ہیں جیسے اَنَا هُوَ، هِیَ لہٰذا اِیَّا کو مشتق قرار دینا درست نہیں۔ علاّمہ سیوطی نے بھی اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس شخص نے اِیَّا کو مشتق قرار دیا ہے اس نے سخت غلطی کی ہے[1]۔

اِیَّا کی لُغات

علامہ سیوطی و زبیدی ارقام فرماتے ہیں کہ اس کو سات طریقے سے پڑھا گیا ہے۔ یاء کی تشدید و تخفیف اور ہمزہ مکسورہ و مفتوحہ اِیَّا[1] تشدید یاء کسرہ ہمزہ و اِیَا[2] بتخفیف یاء اَیَّا[3] بفتح الھمزہ و تشدید الیاء اَیَا[4] تخفیف الیا اور ہمزہ کو ھاء سے بدل کر هِیَّا[5]، هِیَا[6] هَیَّا۔ ھاء مشدد اور مفتوح معاً ممنوع ہے اس آٹھ لغات کی بجائے سات طریقے رہ جاتے ہیں[2]۔

سوال تمام ضمائر میں ضمیر مجرور متصل مؤخر کیوں کی جاتی ہے؟

جواب علامہ مہدی لکھتے ہیں کہ اس کی کئی وجوہات ہیں:

اوّل وجہ یہ ہے کہ ضمیر منصوب متصل اور منفصل دونوں ہوتی ہے اور ضمیر مجرور صرف متصل۔ لہٰذا ضمیر منصوب مزید اور کثیر ہوئی اور کثرت اولیت کا حقدار ہوا کرتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ ضمیر منصوب کسی واسطے کے بغیر فعل کا معمول ہوتی ہے اور ضمیر مجرور جر کے واسطے سے معمول ہے اور عدم واسطہ اصل اور بالواسطہ فرع۔ لہٰذا

---

[1] الاتقان جلد ۱، ص ۴۲۳، تاج العروس جلد ۲۰ ص ۳۷۵

[2] تاج العروس جلد ۲۰ ص ۳۷۵، تفسیر ابی السعود جزء ۱ ص ۱۶ الاتقان جلد ۱ ص ۴۲۳

اصل (ضمیر منصوب) کو ضمیر مجرور سے مقدم کرنا اولیٰ ہے۔ ایک وجہ اور بیان کی گئی ہے کہ عامل جر حرف ہے اور حرف اسم و فعل دونوں سے موخر الذکر ہوتا ہے لہٰذا اس کا معمول ضمیر مجرور بھی موخر ہوگا۔ علامہ مہدی صاحب الحنفیہ اس تیسری وجہ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ضَعِیْفٌ وَوَجْهُ الضَّعِیْفِ غَیْرُ خَفِیٍّ عَلٰی مَنْ لَهٗ اَدْنٰی تَاَمُّلٍ (یعنی آخری وجہ کمزور ہے جو کہ معمولی غور و فکر کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ راقم الحروف اس کی تفصیل کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ ضمیر مجرور کو موخر کرنے کی یہ وجہ بیان کرنا سقم سے خالی نہیں کیونکہ ضمیر مجرور اسم اور حرف کے ساتھ خاص ہے جس سے معلوم ہوا کہ ضمیر مجرور متصل کا عامل اسم بھی ہوتا ہے جیسے ضَارِبُكَ ضَارِبُهُمْ وغیرہ یہاں تو اسم ہے اور اسم دونوں قسمین سے مقدم ہوتا ہے تو اس کے تئیں مقدم کرنا چاہیئے حالانکہ ایسا نہیں لہٰذا اوّل ۲ دو جوابات صحیح اور موزوں ہیں اور آخری مخدوش[1]

سوال کیا ضمیر مجرور متصل فعل میں پائی جاتی ہے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو کیوں؟

جواب ضمیر مجرور متصل صرف اسم اور حرف میں پائی جاتی ہے فعل میں نہیں کیونکہ کسرہ فعل پر نہیں آتا۔ چنانچہ صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ اِنَّمَا یَکُوْنُ فِی الْاِسْمِ وَالْحَرْفِ دُوْنَ الْفِعْلِ لِاَنَّ الْجَرَّ لَایَدْخُلُ عَلَی الْفِعْلِ[2]

سوال ضمیر مجرور متصل کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب شیخ احمد بن سلیمان کہتے ہیں کہ ضمیر مجرور متصل کی ۲ دو قسمیں ہیں

(۱) مجرور متصل باضافت جیسے ضَارِبُهٗ ضَارِبُكَ ضَارِبِیْ

---

[1] الحنفیہ ص۶۹ مع اضافہ

[2] الحنفیہ ص۶۹، حاشیہ مراح ص۴۵

(۲) مجرور بحرف جاء جیسے بہ۔ عَلَیْھِمْ لِیْ وغیرہ[1]

سوال ضمیر مجرور متصل اسم و حرف کیسا خاص ہونے کی مثال دیجئے؟

جواب اس کی مثال تو علم صرف کے مبتدی طلبہ دے سکتے ہیں اور آپ بھی غور کریں تو اس کا جواب سابق سوال کے جواب میں مذکور ہے بہر حال اسم کی مثال ضَارِبُہٗ ضَارِبُكَ ضَارِبِیَّ وغیرہ اور حرف کی مثال لَہٗ لَكَ لِیْ وغیرہ[2]

سوال ضَارِبِیَّ وَمَهْدِیَّ ضمیر مجرور متصل کی یاء مشدّد کیوں ہے؟

جواب گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مذکورہ دونوں مثالوں میں تعلیل ہوئی ہے۔ چنانچہ ضَارِبِیَّ کی اصل ضَارِبُوْنِیْ تھی جمع مذکر سالم کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا پھر ایک کلمہ میں واؤ اور یاء جمع ہونے کی بناء پر واؤ کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کر دیا ضَارِبِیَّ ہو گیا اور مَهْدِیَّ کی اصل مَهْدُوْیٌ بروزن مفعول ہے اس میں بھی واؤ کو یاء کر کے یاء میں ادغام کر دیا۔ مَهْدِیَّ ہو گیا۔[3]

سوال یہ بتلائیے کہ لام جار علی دخول الاسم الظاہر مجرور اور علی المضمر مفتوح کیوں ہوتا ہے؟

جواب اسم ظاہر پر داخل ہونے کی صورت میں لام جار اس لئے مکسور ہوتا ہے تاکہ اپنے عمل جار سے موافقت ہو جائے اور ضمائر پر داخل ہونے کی صورت میں مفتوح اس لئے ہوتا ہے کہ حروف مفردہ کا حق مبنی علی السکون ہوتا ہے لیکن چونکہ ابتداء بالسکون لازم آئے گا۔ لہٰذا اس سے اجتناب کے لئے مبنی بر حرکت فتحہ دیا

---

[1] دیکھئے فلاح ص۵۸ حاشیہ مراح ص۴۵، ہندو پریس دہلی [2] الخفیہ ص۶۹

[3] فلاح ص۵۸۔ المھدیہ ص۶۹، حاشیہ مراح ص۴۵

کیونکہ خفت میں فتحہ سکون کی بہن ہے هٰکَذَا قَالَ الْمُحَقِّقُ عَبْدُ الْحَکِیْمِ اللَّاهُوْرِیُّ فِیْ حَاشِیَةِ تَفْسِیْرِ الْبَیْضَاوِیْ[1]

سوال لام جارہ ضمیر پر داخل ہونے کی صورت میں لام تاکید سے اشتباہ لازم آئے گا کیونکہ دونوں لام مفتوح ہوتے ہیں لہٰذا باہم امتیاز و تفریق کیلئے کیا طریقہ ہے؟

جواب آپ کا سوال بظاہر بہت اہم ہے لیکن آپ آگے سوچتے نہیں ہیں جبکہ فرق واضح ہے اس طرح کہ لام جارہ کی ضمیر متصل ہوتی ہے جیسے فَمَا لَهٗ اور لام تاکید کی ضمیر منفصل ہوتی ہے جیسے لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ○ لہٰذا دونوں میں امتیاز ظاہر ہے۔ چنانچہ علامہ عبد الحئی لکھتے ہیں: ضمیر لام جارہ متصل و ضمیر لام تاکید منفصل می شود۔[2]

سوال ھاءِ ضمیریں کہیں مرفوع ہوتی ہیں مثلاً لَهٗ اور کہیں مجرور جیسے بِهٖ آخر اس کا ضابطہ کیا ہے؟

جواب اس کے متعلق چند قاعدے ہیں۔

① جب ہاءِ ضمیر سے پہلے زیر ہو یا یاءِ ساکنہ ہو تو ضمیر کو بھی زیر دیا جائے گا جیسے بِهٖ وَاِلَیْهِ، لیکن چار جگہ قرآن پاک میں اس کے خلاف آیا ہے۔ ① وَمَا اَنْسَانِیْهُ ② عَلَیْهُ اللّٰهَ ③ اَرْجِهْ ④ وَاَلْقِهْ۔ پہلی دو مثالوں میں ضمیر پر پیش ہے اور آخر کی دو مثالوں میں ضمیر ساکن ہے۔

سوال مذکورہ چار مثالیں خلاف ضابطہ کیوں ہیں؟

جواب عَلَیْهُ اللّٰهَ وَمَا اَنْسَانِیْهُ کی ہاءِ ضمیر کے عام

---

[1] بحوالہ تبیان ص۲۳، حاشیہ مراح ص۶۱ (ہندو پریس دہلی)

[2] تبیان ص۲۳

قاعدے کے خلاف ضمہ کی وجہ اصل کی موافقت ہے کیونکہ اصل حرکت ہاء ضمیر ضمہ ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حالتوں میں اس پر ضمہ ہی آتا ہے اور دو[۲] حالتوں میں جو کسرہ آتا ہے تو وہ ما قبل کی مناسبت کی بناء پر آتا ہے پس ان دو[۲] کلموں میں باوجود اس مناسبت کے اصل کی موافقت کی بناء پر ضمہ ہی پڑھا گیا ہے۔

(۲) اَرْجِهْ وَاَلْقِهْ :دونوں معتل لام ہیں پس ان کی اصل اَرْجِيْهِ اور اَلْقِيْهِ تھی پھر ان کے آخر سے صیغۂ امر ہونیکی بناء پر معتل کے عام قاعدہ کی رو سے یاء ساکنہ حذف ہوگئی اور ہاء ضمیر کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا اس لئے اس کو بھی ساکن ہی پڑھا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان میں ہاء ضمیر کا سکون یاء ساکنہ محذوفہ کی ثابت کی وجہ سے ہے۔

(۳) وَيَتَّقْهِ اگرچہ روایت حفص کی رو سے اس میں قاف کا سکون ہے مگر اصل کی رو سے چونکہ یہ وَيَتَّقِيْهِ تھا پھر محل شرط میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کے آخر سے یاء حذف ہوگئی اور تخفیفاً قاف کو ساکن کر دیا اس وجہ سے مطابق اصل کے ہاء ضمیر کو مکسور ہی پڑھا گیا۔

(۴) يَرْضَهُ لَكُمْ میں عدم صلہ اصل کے لحاظ سے ہے کیونکہ اس کی اصل يَرْضَاهُ لَكُمْ تھی پھر محل جزاء میں واقع ہونے کی وجہ سے آخر سے الف حذف ہوگیا۔[۱]

(۲) جب اس ہاء سے پہلے زیر اور ہاء ساکنہ نہ ہو تو ضمیر پر پیش پڑھیں گے جیسے مِنْهُ، اَخَاهُ لیکن ایک جگہ قرآن پاک میں اس کے خلاف آیا ہے اور وہ "وَيَتَّقْهِ" ہے کہ اس میں ضمیر مکسور ہے۔

---

[۱] توضیحات مرضیہ ص۶۵

(۳) جب ہاءِ ضمیر سے پہلے اور بعد دونوں طرف حرکت ہو تو ضمیر میں صِلہ ہوگا یعنی ضمیر پر اگر پیش ہو تو واؤ یعنی الٹا پیش زائد کر کے پڑھیں گے اور اگر ضمیر پر زیر ہو تو یاء یعنی کھڑا زیر زائد کر کے پڑھیں گے۔ جیسے رَسُوْلَہٗ اَحَقُّ جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ، مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ایک جگہ قرآن پاک میں اس کے بھی خلاف آیا ہے اور وہ وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَہُ لَکُمْ ہے اس میں الٹا پیش نہیں پڑھیں گے۔

(۴) جب ہاءِ ضمیر سے پہلا والا حرف ساکن ہو تو ہاءِ ضمیر کی حرکت کا صلہ نہ ہوگا۔ جیسے فِیْہِ لیکن قرآن مجید میں ایک جگہ اس کے خلاف آیا ہے۔ جیسے فِیْہٖ مُھَانًا کہ اس میں صِلہ ہے[۱]۔



---

[۱] تسہیل التجوید ص۵۲، معلم التجوید للمتعلم المستفید ص۱۷۲ لاہور

ضمیرِ غائب "ھو" کے صوفیانہ اسرار و نکات

امام رازیؒ کہتے ہیں کہ لفظ "ھو" میں عجیب و غریب اسرار اور اہم احوال ہیں جن میں سے بعض کی تشریح و وضاحت ممکن ہے اور بعض کی ناممکن ہے۔ چنانچہ صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ جن اسرار و گفتگو کو میں تحریر کر رہا ہوں اس سے کہیں زیادہ دل میں سعادت و سرور پاتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں مذکور کو ہیچ سمجھتا ہوں بلکہ دل میں ایسی عجیب و غریب تاثیر پیدا ہو رہی ہے جو ناقابلِ بیان ہے اور ناقابلِ مکمل ہے۔ تاہم چند اسرار کو لکھتے ہیں:

(۱) انسان جب "یاھو" کہتا ہے تو وہ گویا یہ کہتا ہے کہ میری کیا حیثیت و وقعت جو میں آپ کو پہچان سکوں اور میں کیا ہوں کہ آپ کا مخاطب بن سکوں، اور کہاں مٹی اور کہاں رب الارباب ناپاک نطفہ اور خون سے پیدا شدہ انسان اور اس ذات جو کہ مقدم اور ازل ہے کے درمیان کیا مناسبت؟ آپ کی ذات اعلیٰ و برتر۔ اسی وجہ سے بندہ اپنے آقا کو صیغۂ غائب سے خطاب کرتے ہوئے "یاھو" کہتا ہے۔

(۲) بندہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی صفات سے یاد کرتا ہے تو معرفتِ خداوندی میں مستغرق نہیں ہو پاتا کیونکہ مثلاً انسان جب "یَا رَحْمٰن" کہتا ہے تو اس وقت تذکرۂ رحمت کے باعث اس کی طبیعت طلبِ رحمت کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب (یَا کریم، یَا محسن، یَا غفّار، یَا وھاب، یَا فتّاح) اور یَا مالِكُ کہتا ہے تو سلطنت اور نوع بنوع نعمتوں کی اقسام کا تذکرہ کرنے کی وجہ سے اس کی طبیعت ان اقسام نعمت کی طرف مائل ہوتی ہے اور ان میں سے کچھ کا طالب ہوتا ہے۔ بقیہ تمام صفات کو اس پر قیاس کر لیا جائے۔ لیکن جب "یاھو" اسم ظاہر کے بجائے ضمیر غائب استعمال کرتا ہے تو گویا انسان سمجھتا ہے کہ اللہ وہی ہے اور اسی طرح کا ذکر غیر اللہ پر قطعاً دلالت نہیں کرتا اور اس وقت انسانی قلب میں ذکرِ

خداوندی کی روشنی اجاگر ہوتی ہے اور یہ روشنی غیر اللہ کے ذکر سے پیدا شدہ ظلمت و تاریکی سے ماند نہیں ہوتی۔ اس صورت میں انسانی قلب نورِ تام اور کشف کامل سے منوّر ہو جاتا ہے۔

۳ علم کی دو۲ قسمیں ہیں: "تصوّر[1] و تصدیق[2]" تصوّر کہتے ہیں کسی صورت شئ کا ذہن میں اس طرح حاصل ہو تاکہ اس میں وجود اور عدم وجود کا کوئی حکم نہ ہو۔ تصدیق کہتے ہیں مخصوص شئ کا ذہن میں حاصل ہونا اس طرح کہ وجود یا عدم وجود کا حکم ہو۔ اب سمجھئے کہ تصوّر مقام توحید اور تصدیق، مقام تکثیر ہے۔ تصوّر کی دو۲ قسمیں ہیں:

۱ ایسا تصوّر کہ عقل کے لئے تصرف ممکن ہو۔

۲ ایسا تصوّر جس میں تصرف ممکن نہ ہو۔

پہلی قسم جس میں ماہیات مرکبہ کا تصور ہوتا ہے۔ کیونکہ ماہیات مرکبہ کا تصور ان ماہیت اجزاء مرکبہ کے بغیر ناممکن ہے اور تصرف عمل اور فکر ہے۔ دوسری قسم جو ماہیّت مفردہ اور تمام جہات ترکیبات سے خالی کا تصور ہوتا ہے۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ تصدیق تصوّر کی بہ نسبت تکثیر کے قائم مقام ہے اور تصوّر تصدیق کے مقابلہ میں واحد ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ماہیت بسیطہ کا تصور انتہاء توحید اور بعد عن الکثرت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے متعلق یاھو کہنا تصدیق سے خالی محض ایک تصوّر ہے اور یہ تصوّر اس ذات کا تصوّر ہے جو تمام جہات ترکیب و کثرت سے بالاتر ہے۔ چنانچہ یاھو میں حد درجہ وحدانیت اور تجرد عن الکثرت ہے اور بڑا مقام ہے۔ اس طرح کہ دیگر اسرار علاوہ ازیں مزید نو بیان کئے گئے ہیں۔ جو بوجہ طوالت ترک کئے جا رہے ہیں[1]

---

[1] تفسیر رازی ۱/ ۱۴۶ تا ۱۵۱۔ اسعاف الملحین۔ ص ۲۴۸ محمود سعید ممدوح۔ بیروت

فِعل ماضی مجہول کے نکات

سوال صرفیین فعل معروف ومجہول میں پہلے فعل معروف سے کیوں بحث کرتے ہیں؟

جواب شیخ عبدالحیؒ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ذکر میں فعل معروف کو اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ معروف اصل ہے اور فعل مجہول فرع ہے اسی لئے معروف سے ہی مجہول بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا اصل کو مقدّم اور فرع کو موخر کیا[1]۔

سوال فعل ماضی مجہول کا دوسرا نام کیا ہے؟

جواب فعل ماضی مجہول کو مبنی للمفعول کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کمال پاشا لکھتے ہیں کہ فعل مجہول کو مبنی للمفعول بھی کہتے ہیں۔ المجھول یُسَمّٰی اَیضًا المَبنِیُ لِلمَفعُوْل اسی طرح شیخ ابراہیم زنجانی بھی اپنی کتاب میں فعل مجہول کو مبنی للمفعول کا عنوان دیتے ہیں۔ اس کو مبنی للمفعول اس لئے کہتے ہیں کہ فعل ماضی مبنی ہوتا ہے اور مجہول میں چونکہ فاعل کا ذکر نہ ہو کر مفعول کا ذکر ہوتا ہے اسی لئے مبنی للمفعول کہتے ہیں[2]۔

سوال فعل مجہول اور مبنی للمفعول میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔؟

جواب مصداق کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں جیسا کہ ابھی مذکور ہوا تاہم اس کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ اکثر وبیشتر صرفیین حضرات فعل مجہول استعمال کرتے ہیں اور نحویین حضرات مبنی للمفعول۔ چنانچہ شیخ شمس الدّین لکھتے ہیں لٰکِن

---

[1] تبیان صـ۱۹ [2] فلاح صـ۹۲۔ زنجانی صـ۱۷

كَثُرَ اِسْتِعْمَالُ الْمَجْهُوْلِ بَيْنَ اَهْلِ الصَّرْفِ فَاسْتِعْمَالُ الْمَبْنِيِّ لِلْمَفْعُوْلِ بَيْنَ اَهْلِ النَّحْوِ۔[1]

سوال فعل مجہول کیوں بناتے ہیں۔ اس میں کیا راز مضمر ہے؟

جواب فعل ماضی مجہول بنانے کی کئی وجوہات ہیں جیسا کہ علامہ ابن یعیش اور علامہ احمد بن سلیمان وغیرہ لکھتے ہیں کبھی خوف یا مقام و جلال کی بنا پر فاعل حذف کر کے مفعول کو قائم مقام کر دیا جاتا ہے جیسے قُطِعَ اللِّصُّ وقُتِلَ الْقَاتِلُ اور جب فاعل خسیس ہو جیسے كُنِسَ السُّوْقُ اسی طرح جب فاعل کا علم نہ ہو جیسے سُرِقَ الْمَتَاعُ جب فاعل مبہم ہو جیسے تُصُدِّقَ عَلٰى مِسْكِيْنٍ اور شہرت فاعل کی وجہ سے جیسے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا صاحب ”حاشیہ الخضری“ مزید لکھتے ہیں کہ بطور ایجاز اور رعایت سجع بھی فعل مجہول لایا جاتا ہے جیسے مَا عُوْقِبْتُمْ اور مَنْ طَابَتْ سِيْرَتُهٗ حُمِدَتْ سِيْرَتُهٗ[2] مزید تفصیل کے لئے احقر کی کتاب ”عمدۃ التحقیقات صفحہ ۳۷ میں ”وجوہات مختلفہ“ کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال ثلاثی مجرد سے صیغہ مجہول بنانے میں فاء کلمہ کو ضمہ اور عین کلمہ کو کسرہ کیوں دیتے ہیں؟

جواب علامہ عبدالحئی واحمد بن سُلیمان تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ معنی مجہول (فعل کی مفعول بہ کی جانب اسناد) ایک غیر معقول امر ہے کیونکہ اندیشہ واشتباہ ہوتا ہے کہ فعل مجہول اسماء کی قسم ہو اس لئے اس کے صیغہ کو بھی ضمہ سے کسرہ کی طرف نکلنے کے سبب کریہ اور ثقل کا باعث بنا کر غیر معقول بنا دیا گیا تاکہ پیدا شدہ اشتباہ ختم ہو جائے اور اقسام فعل کا علم ہو جائے۔ اسی کو علامہ مہدی نے بھی بیان

---

[1] فلاح ص۹۲ حاشیہ مراح ص۷۔ ہندو پریس دہلی۔ [2] شرح الکفراوی ص۸۲، الحنفیۃ ص۱۰۷ زنجانی ص۱۷، شرح قطر الندی ص۲۰۶ دہلی، شرح المفصل جزء۷ ص۶۹ حاشیہ خضری جزء۱ ص۱۶۷

کیا ہے[1]

سوال: مجہول کے لئے فاء کو کسرہ اور عین کلمہ کو ضمہ فِعُلَ کیوں نہیں کر دیا جبکہ اس سے بھی مقصود حاصل ہو جاتا؟

جواب: مقصود تو حاصل ہو جاتا لیکن اس صورت میں کسرہ سے ضمّہ کی طرف خروج لازم آئے گا۔ جو کہ فُعِلَ سے زیادہ ثقیل ہے کیونکہ فِعُلَ میں بعد الخفت طلب ثقل ہے اور فُعِلَ میں بعد الثقل طلب خفت ہے اسی کو صاحبِ تبیان یوں لکھتے ہیں کہ فِعُلَ غیر پسندیدہ وزن ہے کیونکہ اس میں چڑھاؤ اور عروج ہے اور فُعِلَ میں اُتار ہے اور ہبوط عروج سے زیادہ سہل ہے۔

"ایں وزن بسیار مستکرہ است زیرا چہ در فعل ہبوط است الخ[2]

سوال: تُفُعِّلَ وَتُفُوعِلَ وغیرہ میں تاء کے ساتھ ساتھ فاء کو کیوں ضمہ دیا گیا؟

جواب: آپ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ مجہول میں صرف ایک ہی ضمۂ تاد کافی تھا تو کیوں اس کی وجہ علامہ شمس الدّین یہ لکھتے ہیں کہ فاء کے ساتھ تاء کو بھی ضمہ اس لئے دیا تاکہ آخر کے ماقبل کسرہ ہونے پر فَعَّلَ کے مضارع معروف سے التباس لازم نہ آئے یعنی فاء کو ضمہ نہ دینے پر یہ نہیں معلوم ہوگا کہ وہ باب تفعیل کا مضارع معروف ہے یا باب تفعل کا ماضی مجہول اسی طرح تُفُوعِلَ میں اگر تاء اور فاء دونوں کو ضمہ نہیں دیں گے تو ماقبل آخر مکسور کی حالت میں باب تَفَاعَلَ کے ماضی مجہول اور باب مُفَاعَلَت کے مضارع سے التباس لازم آئے گا اس لئے دونوں کلموں کو ضمہ دیا گیا۔[3]

---

[1] فلاح ص۹۳، تبیان ص۱۹، الحنفیہ ص۱۰۷

[2] تبیان ص۱۹، فلاح ص۹۴، حاشیہ مراح ص۴۱

[3] فلاح ص۹۵ تبیان ص۲۰، شرح مراح ص۴۳

سوال اُفْتُعَلَ وَاُسْتُفْعِلَ میں تاء کو ضمہ کیوں دیا گیا؟

جواب اگر تاء کو ضمہ نہ دیا جائے اور فتحہ پر برقرار رکھ دیا جائے تو وقف کی صورت میں آخری حرف ساکن ہوگا اور ہمزہ وصل کا اپنے ماقبل (حرف واو یا فاء) کے ساتھ ہونے پر وَافْتَعِلْ صیغۂ امر سے التباس لازم آئیگا۔ باقی صیغوں کو کو اسی پر قیاس کریں۔ [1]

ماضی منفی کے نکات

سوال ماضی منفی کے لئے حرف "مَا" کو شروع میں کیوں لایا جاتا ہے؟

جواب مَا حرف نفی صدارت کلام کو چاہتا ہے اور حرف نفی شروع میں آنے سے یہ بات آشکارا ہوجاتی ہے کہ یہ کلام منفی ہے۔ چنانچہ صاحبِ تبیان لکھتے ہیں کہ کلمہ ما نفی برائے صدارت است تا از ابتداء بر سامع ہویدا شود" [2]

سوال ماضی منفی حرف "لا" کے ذریعہ بھی ہوتی ہے پھر حرف مَا کو صرفیین کیوں خاص کرتے ہیں؟

جواب ماضی منفی کے لئے حرف لا کا دخول نادر ہے اور النّادر کالمعدوم دوسرا جواب یہ ہے کہ ماضی پر حرف "لا" کے دخول کی کئی شرطیں ہیں (۱) تکرار لا مع صیغہ ماضی جیسے فَلَاصَدَّقَ وَلَاصَلّٰی (۲) مقام دُعاء ۳ جواب قسم گویا یہ لا کا دخول ماضی پر عدم کی حیثیت سے ہے اس لئے مَا کے ساتھ خاص کردیتے ہیں۔ تفصیل کے لئے مولف کی دوسری کتاب عمدۃ التحقیقات صفحہ ۶۵ ملاحظہ فرمالیں۔

سوال ماضی مثبت کو مقدم اور منفی کو مؤخر کرتے ہیں آخر ایسا کیوں؟

مثبت اصل ہے اور منفی فرع ہے۔ لہٰذا اصل کو مقدّم اور فرع کو مؤخر کیا جائے گا۔ [3]

---

[1] فلاح ص۹۶ حاشیہ مراح ص۷۳ تبیان ص۲۰ [2] تبیان ص۲۰ [3] تبیان ص۲۱

مضارع معروف کے نکات



سوال فعل مضارع کو مضارع کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق شیخ ابن یعیش نحوی شارح المفصل و علّامہ رضی الدّین وغیرہ ارقام فرماتے ہیں کہ مضارع کے لغوی معنی مشابہت کے آتے ہیں جو باب مفاعلت کا مصدر ہے اور یہ مشتق ہے ضرع سے جس کے معنی ایک تھن سے دودھ پینے کے آتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے تَضَارَعَ السَّخلَانِ بکری کے ۲ دو بچے دودھ پی رہے ہیں چونکہ فعل مضارع میں دو زمانے پائے جاتے ہیں گویا دو زمانے ایک فعل سے دودھ پی رہے ہیں اس لئے اس فعل کو مضارع کہا جاتا ہے مزید تحقیقات کے لیے عمدۃ التحقیقات صفحہ ۵۰ دیکھیے ۔[1]

سوال فعل مضارع کا دوسرا نام کیا ہے ؟

جواب فعل مضارع کا دوسرا نام "غابر" اور "مُستقبل" ہے اس کو غابر سے تعبیر اس لئے کرتے ہیں کہ غابر کے معنی بقیہ کے آتے ہیں چونکہ فعل مضارع میں دو زمانے ہوتے ہیں ایک زمانہ مراد لینے کے بعد ایک زمانہ باقی رہتا ہے اور مستقبل سے تعبیر اس لئے کرتے ہیں کہ اس میں ایک زمانہ مستقبل ہوتا ہے۔ لہٰذا جزء کے قبیل سے کل کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔[2]

سوال فعل مضارع کس سے مشتق ہے ۔؟

---

[1] محرم آفندی جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ ملتان رضی کافیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ ، شرح المفصل جزء ۷ صفحہ ۶ زنجانی صفحہ ۱۸

[2] عمدۃ التحقیقات صفحہ ۴۷ حاشیہ زنجانی صفحہ ۲۲

جواب شیخ عبدالحی اپنی کتاب تبیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ تفتازانی شرح زنجانی میں اس بات کے قائل ہیں کہ فعل مضارع فعل ماضی سے مشتق ہے۔ اور مولانا حمایت علی کاکوروی کا یہ قول کہ حقیقت میں فعل مضارع کا ماضی سے مشتق ہونا کسی صرفی سے منقول نہیں ہے۔ اس پر صاحب تبیان نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ موصوف کا قول مذکور قلتِ تتبع و کم جستجو پر مبنی ہے کیونکہ بعض حضرات لکھتے ہیں کہ مضارع فعل ہے اور ماضی بھی فعل ان دونوں میں باہم مناسبت ہے۔ لہٰذا ایک دوسرے سے مشتق ہوئے اس کے برخلاف مصدر کے کہ وہ اسم ہے فعل مضارع کی اس سے کوئی مناسبت نہیں اور فعل ماضی سے مصدر کی مناسبت قلت تغیر کیوجہ سے ہے۔ لہٰذا فعل ماضی مصدر سے مشتق ہوا اور فعل مضارع میں چونکہ بہت زیادہ تبدیلی ہوتی ہے اس لئے یہ مصدر سے مشتق نہیں۔ صاحب الحنفیہ ارقام فرماتے ہیں کہ فعل مضارع فعل ماضی سے مشتق ہے کیونکہ فعل ماضی اُس حدث پر دلالت کرتا ہے جس کا تحقق و وقوع ثابت ہو اور یہ مشتق منہ کا اہل ہے اور چونکہ فعل مضارع بھی ثبات پر دلالت کرتا ہے لہٰذا یہ مشتق ہوا[1]۔

بعض صرفیین کی رائے

بعض صرفیین کی رائے یہ ہے کہ مصدر اصل ہے اور فعل ماضی اس کی فرع اور فرع میں اصل اور مادہ کا معنی باقی رہتا ہے۔ چنانچہ ماضی کے معنی زمانہ گزشتہ ماخوذ ہے۔ اب اگر فعل مضارع کو فعل ماضی سے مشتق مانا جائے تو فعل مضارع میں فعل ماضی کا معنی باقی رہنا چاہیئے۔ حالانکہ باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا فعل مضارع کا فعل ماضی سے مشتق ماننا درست نہیں۔ اسی کو علامہ مہدی نے "فِیْهِ بَحْثٌ" سے تعبیر کیا اور اسی کی طرف رجحان بھی ہے[2]۔

---

[1] الحنفیہ ص۸، تبیان ص۲۱

[2] الحنفیہ ص۸، تبیان ص۲۱

سوال فعل مضارع معرب کیوں ہوتا ہے حالانکہ وہ بھی فعل ہے؟

جواب فعل ماضی کے تحت معرب کا دار و مدار یہ بتایا گیا کہ وہ افعال معرب ہوتے ہیں جن کے معنی میں کوئی اسم معرب آتا ہو اور اسم فاعل فعل مضارع کا سا عمل کرتا ہو۔ چنانچہ اس ضابطہ کے تحت اسم فاعل فعل مضارع کا سا عمل کرتا ہے۔ اسطور پر کہ اسم فاعل حال اور استقبال کے معنی میں مضارع کی طرح عمل کرتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے زَيْدٌ يَضْرِبُ غُلَامَهُ عَمْرًا لہٰذا اس مشابہت کی وجہ سے مضارع کو معرب قرار دیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ فعل مضارع اور اسم فاعل میں من کل الوجوہ مشابہت تامہ ہے یعنی حرکات و سکنات میں دونوں مساوی ہیں جیسے يَضْرِبُ وَضَارِبٌ اس مثال میں دیکھئے دونوں کے الفاظ اور حرکات و سکنات برابر ہیں۔ نیز دونوں لام ابتداء کے دخول میں بھی موافق ہیں۔ لہٰذا کثرت مشابہت کی بناء پر فعل مضارع کو معرب قرار دیا گیا۔ یعرب المضارع لکثرۃ مشابهته بالاسم[1]۔ الخ

سوال فعل مضارع کے وجہ معرب میں بصریین و کوفیین کا کیا اختلاف ہے؟

جواب بصریین مشابہت اسم فاعل کی وجہ سے مضارع کے معرب ہونے کے قائل ہیں۔ جیسا کہ علامہ رضی الدین استرآبادی شارح کافیہ کہتے ہیں "المضارع معرب لمشابهته" کوفیین مضارع کو مشابہت کی وجہ سے معرب نہیں مانتے بلکہ اصالۃً معرب کے قائل ہیں کیونکہ حروف مشترکہ (لا) کے داخل ہونے کی وجہ سے اس میں معانی مختلفہ پیدا ہوتے ہیں مثلاً لا یضرب میں لا، نفی بھی ہو سکتا ہے اور لاء نہی بھی اس کا اشتباہ اعراب سے ہی ختم ہو سکتا ہے اور معانی مختلفہ کی تعیین اعراب سے ہی ہو سکتی ہے۔ یعنی

---

[1] الحنفیہ ص۴، حاشیہ زنجانی ص۱۸، حاشیہ مراح ص۲۷ ہند پریس دہلی۔

فعل مضارع کو مرفوع پڑھیں گے تو لاء نفی اور جزم لاء نہی کی دلیل اس لئے یہ اصل معرب ہے اَلْمُضَارِعُ مُعْرَبٌ لِلْمُشَابَهَةِ عِنْدَ الْبَصْرِيِّيْن ..... وَقَالَ الْكُوفِيُّوْنَ أُعْرِبَ الْمُضَارِعُ بِالْاِصَالَةِ الخ[1]

سوال صرفیین فعل مضارع کو مستقبل سے تعبیر کرتے ہیں۔ لہٰذا لفظ مستقبل کی تحقیق بتائیں۔؟

جواب علّامہ جوہری لکھتے ہیں کہ اَلْاِسْتِقْبَالُ ضِدُّ الْاِسْتِدْبَار اور اس کے معنیٰ متوجہ کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے زَيْدٌ يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ چونکہ آنے والے زمانہ کی طرف لوگ متوجہ رہتے اور اس کی توقع رکھتے ہیں اس لئے مستقبل کہا جاتا ہے۔ علامہ زبیدی تاج العروس میں تحریر فرماتے ہیں کہ الاِسْتِقْبَال آگے ہونا۔ اسی سے اسم فاعل کا صیغہ مستقبل (بمعنی آگے ہونے والا) ہے۔[2]

سوال لفظ مستقبل کا تلفظ بکسر الباء ہے یا بفتح الباء؟

جواب علّامہ مہدی فرماتے ہیں کہ قاعدہ کے مطابق مُسْتَقْبِلٌ بِكَسْرِ الْبَاءِ مُسْتَخْرِجٌ کے وزن پر اصل ہے لیکن کلام میں کثرت استعمال بفتح الباء مستقبَل ہے اگرچہ اصل اور قاعدہ کے لحاظ سے غلط ہے مگر یہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ عوام میں رائج غلطی قیاس متروک سے زیادہ فصیح ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ صاحب التصریف کہتے ہیں: اَلْخَطَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ اَفْصَحُ مِنَ الْقِيَاسِ الْغَيْرِ الْمُسْتَعْمَلِ یعنی مستعمل غلطی غیر مستعمل قیاس سے افصح اور بہتر ہے۔[3]

---

[1] شرح رضی جلد ۲، ص ۲۲۷ بیروت۔ فلاح ص ۳۷، حاشیہ مراح ص ۲۶

[2] الصحاح جلد ۵ ص ۱۷۹۷ لسان العرب جلد ۱۱ ص ۱۹، تاج العروس جلد ۱۵ ص ۶۰۲ بیروت فلاح ص ۶۵، الحنفیہ ص ۷۷

[3] الحنفیہ ص ۷۷

سوال صرفیین علامت مضارع کا مجموعہ اَتَیْنَ استعمال کرتے ہیں اور نحویین نَاَیْتَ وَاَنَیْتُ اس میں کیا حکمت ہے۔؟

جواب جی ہاں آپ کی بات بالکل درست ہے۔ چنانچہ اس حکمت کے متعلق شیخ محرم آفندی لکھتے ہیں کہ علامت مضارع کے حروف کی ترتیب صرفیین اور نحویین کے نزدیک جداگانہ ہے۔ صرفیین کے مطابق ان حروف کی ترتیب اس طرح ہے کہ اوّل میں۔ حروف غائب آخر میں متکلم بیچ میں حاضر اور نحویین کی ترتیب میں متکلم سے ابتداء اور مخاطب پر اختتام ہوتاہے اور غائب کو بیچ کا درجہ دیتے ہیں اسی کے مطابق نحویین عمل پیرا ہیں چنانچہ اَنَیْتُ یا نَاَیْتُ میں دیکھئے دونوں میں ابتداء بالمتکلم اور اختتام علی المخاطب ہے اور غائب وسط میں ہے۔ راقم الحروف کہتاہے کہ علامت مضارع کا مجموعہ اَتَیْنَ نَاَیْتُ اَیْنَتَ وغیرہ میں سے کوئی بھی مجموعہ صرفیین کی ترتیب کے مطابق نہیں۔ لہٰذا صرفیین کا ایک مجموعہ اَتَیْنَ اختیار کرنا صرف اس وجہ سے ہو سکتاہے کہ اَتَیْنَ صیغہ جمع مؤنث غائب حروف کی صفت ہو جائیگا۔[۱]

سوال علامت مضارع کے مجموعہ میں کون کون الفاظ آتے ہیں؟

جواب اہل فن نے علامت مضارع کے مجموعہ کو مختلف انداز میں پیش کرکے خوب طبع آزمائی کی ہے اور جہاں تک مجموعہ کے الفاظ بن سکتے تھے۔ اس کیلئے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ شیخ ابراہیم زنجانی اور صاحب تبیان نے چار مجموعے ذکر کئے ہیں اَنَیْتَ اَتَیْنَ نَاتِیْ نَاَیْتَ مگر محشی زنجانی ایک قدم بڑھاکر مزید دو۲ مجموعہ پیش کرتے ہیں تَانِیْ، نُوْتِیْ اس میں واؤ مراد نہیں ہے بلکہ ہمزہ مقصود ہے۔ راقم الحروف بھی مجموعہ کے لئے تین لفظ تحریر کرتاہے۔ اَیْتَنَ نِیَاتُ اِتَنِیْ اس طرح کل نو مجموعے ہو گئے۔[۲]

---

[۱] محرم آفندی جلد۲ ص۳۱۸ ملتان۔ [۲] حاشیہ زنجانی ص۱۰ تبیان ص۲۳۔ اوراق ثاقب

سوال بعض حضرات علامت مضارع الف کو ہمزہ اور ہمزہ کو الف سے تعبیر کرتے ہیں کیا یہ درست ہے ؟

جواب آپ کی بات بالکل صحیح ہے ۔ چنانچہ ابراہیم زنجانی نے الف کی جگہ پر ہمزہ استعمال کیا ہے اور شیخ علی بن مسعود نے الف استعمال کیا جس کی تشریح ہمزہ سے کی گئی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کی جگہ پر مستعمل ہیں جس کی ۲ دو وجہیں ہیں ۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اَتَیْنَ کا ہمزہ اصل میں الف تھا اس لئے کبھی اصل کی رعایت کرتے ہوئے استعمال کر لیتے ہیں ! دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ہمزہ الف ہے اور الف کی ۲ دو قسمیں ہیں ایک الف لین جو ساکن ہوتا ہے جیسے مَا اور لَا کا الف ۔ دوسری قسم الف متحرک جیسے اَخَذَ وَاَمَرَ ۔ یہ لفظی نزاع ہے[1]

جواب یَزِیْدُ وَیَشْکُرُ میں علامت مضارع موجود ہے باوجودیکہ دونوں اسماء ہیں ؟

سوال بالکل صحیح ہے کیونکہ اصل وضع کے مطابق دونوں مضارع ہیں ۔ مگر دونوں اسم کی طرف منقول کر لئے گئے اور علم ہو گئے ۔ لہٰذا اس کے ذریعہ سے خاصۂ فعل پر اشکال کرنا درست نہیں ۔ چنانچہ صاحبِ الحنفیہ لکھتے ہیں : بِاَنَّهُمَا مُضَارِعَانِ فِیْ اَصْلِ الْوَضْعِ ثُمَّ نُقِلَا اِلَی الْاِسْمِیَّةِ الخ[2]

جواب مضارع بنانے کے لئے حروف اَتَیْنَ سے ماضی میں کیوں زیادتی کرتے ہیں فعل ماضی سے کوئی حرف کم کر کے بھی مضارع بنا دیا جاتا ؟

سوال آپ کی بات درست ہے ایسا ہو سکتا تھا مگر فعل ماضی میں حروف کی کمی کو علامت مضارع قرار دینے کی صورت میں کلمہ صحیح مقدار سے کم ہو جاتا

---

[1] الحنفیہ ص ۸۲،۸۱ ۔ حاشیہ مراح ص ۵۳ ہندو پریس دہلی

[2] الحنفیہ ص ۸۲ حاشیہ زنجانی ص ۱۹

کیونکہ کلمہ کم از کم تین حروف پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ثلاثی مجرد کی توجیہ ہے۔ ثلاثی مزید اور رباعی کو اسی پر قیاس کر لیا جائے کہ اس میں بھی مادہ اور اصل حروف تین ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحب تبیان تحریر فرماتے ہیں" زیرا چہ بر تقدیر نقصان باقی میماند کلمۂ معرب کم از قدر مناسب و آں بودن کلمہ معرب[1] الخ۔

سوال حروف اَتَیْنَ کو ماضی میں زائد کرنے اور مضارع میں کم کرنے سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی پھر بھی ایسا کیوں نہیں کیا؟

جواب حروف زائدہ کا مستحق اور لائق مضارع ہی ہے کیونکہ مزید علیہ مجرد اور اصل کے بعد ہوتا ہے اور مضارع بھی ماضی کے بعد اس لئے کہ پہلے زمانہ ماضی ہے بعد میں مستقبل۔ لہٰذا سابق کو سابق (حرف زائد سے خالی) دیا گیا اور لاحق (مضارع) کو لاحق (یعنی حرف زائد) دیا گیا تاکہ تقسیم میں اعتدال اور مناسبت برقرار رہے[2]۔

سوال علامت مضارع کے لئے حروف زائد "الیوم تنساہ" سے الف تا یا نون ہی کو کیوں خاص کیا؟

جواب آپ کا اشکال بجا ہے لیکن ان چار حروف کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ نفس الامر میں زیادتی کے لئے حروف علت ہی ہیں کیونکہ کلام عرب میں حروف علت کا کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محشیٔ زنجانی لکھتے ہیں" در کلام عرب کہ ہیچ کلمہ از کلمات شان بے ایں حروف یا بے ابعاض الخ۔ یعنی کلام عرب میں متداول کوئی کلمہ ان حروف (علت) یا ان میں سے بعض حروف سے خالی نہیں اور یا تو یہ حروف خود موجود ہوں گے ورنہ ان حروف سے بدل لیں گے رہا حرف نون تو چونکہ زیادتی کے لئے حروف علت میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ اس لئے نون کو منتخب کیا گیا کیونکہ نون ناک سے نکلنے کی بناء پر حرف علت کے مشابہ ہے نیز حروف علت

---

[1] تبیان ص۲۲، الحنفیہ ص۷۹، فلاح ص۶۸، حاشیہ مراح ص۵۲ مراح وغیرہ ص۸

[2] الحنفیہ ص۸۱، تبیان ص۲۲، فلاح ص۶۹

میں تلین اور نون میں بھی تلین پایا جاتا ہے۔ اس مناسبت کی بناء پر نون کو حروف علت میں شامل کر لیا گیا۔[1]

سوال جب حروفِ زائدہ کی بات آگئی تو بتائیے کہ بلحاظ علم صرف حروف زائدہ کتنے ہیں اور مجموعہ حروف زیادت کے الفاظ کیا کیا ہیں۔؟

جواب حروف زائدہ دس ہیں اور ان کے الفاظ مجموعہ کی بابت شیخ رضی الدّین استر آبادی کہتے ہیں کہ بیس[20] ہیں تاہم جستجو و تتبع کے بعد مجموعہ حروف زیادت اٹھائیس[28] ملے ہیں جن کو ہم ذکر کرتے ہیں:۔

۱ هُوِيتُ السَّمَانَ	۲ امَانٌ وَتَسْهِيلٌ۔
۳ هُمْ يَتَسَاءَلُونَ	۴ مَاسَأَلْتَ يَهُونُ
۵ اِلْتَمَسْنَاهُوىٰ	۶ سَأَلْتُمْ هَوَانِىْ
۷ هَلْ نِمْتَ يَاأَوْسُ	۸ لَمْ يَأْتِنَاسَهْوٌ
۹ سَأَلْتُ هُنَا يَوْمٌ	۱۰ أَتَوْهُ سَالِمِيْنَ
۱۱ يَاأَهْوَلُ اِسْتَتِمْ	۱۲ اِهْوَيْتُ سُلَيْمَانَ
۱۳ أَسْلَمَنِىْ وَتَاهُ	۱۴ انَّهَاوَتَسْلِيْم
۱۵ نِهَايَةُ مَسْئُوْلٌ	۱۶ وَهِىَ مَسْأَلَتُنَا
۱۷ تَلَاهُ أُنْسُ يَوْمٍ	۱۸ سَأَلْتَنِىْ مَاهُوَ
۱۹ تَسْأَلُنِىْ مَاهُوَ	۲۰ مَنْ هُوِيتَ سَائِلٌ
۲۱ تَهْوىٰ مَنْ يَّسْأَلُ	۲۲ بَلْ تَنَامُ يَسُوْءُ
۲۳ أَمِيْنٌ كَهْ مُوْسىٰ	۲۴ وَمَاسَأَلْتَنِيْهِ
۲۵ تَوىٰ مَنْ سَأَلَهَا	۲۶ نَسِيْتَهَا الْيَوْمَ
۲۷ سَأَلْتُمُوْنِيْهَا۔	۲۸ اَلْيَوْمَ تَنْسَاهُ[2]

[1] حاشیہ زنجانی ص۱۹، تبیان ص۲۳، الحنفیہ ص۸۲و۸۴ [2] حاشیہ تکملہ ص۲۵

سوال مجموعہ حروف زائدہ میں سے سَألْتُمُونِيهَا یا هُوِيتُ السِّمَان کے متعلق ایک دلچسپ حکایت ہے وہ کیا ہے؟

جواب مشہور یہ ہے کہ کسی شاگرد نے اپنے استاد محترم سے حروف زائدہ کے متعلق سوال کیا تھا اس کے جواب میں استاد نے سَألْتُمُونِيهَا (یعنی تم نے اس سے پہلے مجھ سے پوچھا تھا) کہا شاگرد نے قسم کھا کر کہا کہ ان حروف زائدہ کے بارے میں اس سے پہلے کبھی نہیں پوچھا پھر استاد نے فرمایا اَلْيَوْمَ تَنْسَاهُ (یعنی آج تم اس کو بھول گئے) اس پر شاگرد بہت پریشان ہوا اور دست بستہ عرض کیا کہ حضرت بخدا میں نہیں بھول رہا ہوں۔ استاد نے دیکھا کہ یہ خالی الذہن طالب علم ہے اور اس کی رسائی جواب کی طرف نہیں ہو رہی ہے تو فرمایا کہ اے بے وقوف احمق، میں نے تم کو حروف زیادت ۲ مرتبہ بتلایا یعنی میرے دونوں جملوں میں تمام حروف زیادت ہیں شیخ رضی الدین کہتے ہیں کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مبرد نحوی نے امام صرف ابوعثمان مازنی سے حروف زائدہ کا سوال کیا تو مازنی نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

هُوِيتُ السِّمَانَ فَشَيَّبْنَنِي
وَقَدْ كُنْتُ قِدْمًا هُوِيتُ السِّمَانَا

ترجمہ: میں موٹی اور فربہ عورتوں کو محبوب رکھتا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مجھ کو بوڑھا کر دیا اور حالانکہ میں ہمیشہ موٹی عورتوں کو پسند کرتا ہوں

مبرد نحوی نے کہا کہ میں (آپ سے حروف زائدہ پوچھ رہا ہوں اور آپ شعر سنا رہے ہیں۔ مازنی نے جواب دیا کہ میں نے دو بار (هوِيتُ السِّمَان) جواب دیا جو کہ حروف زائدہ ہیں اور تو نے نہیں سمجھا۔

فائدہ: بسا اوقات طلبہ خالی الذہن اور غافل رہتے ہیں جس کی بنا پر اساتذہ کرام کی قیمتی باتوں کو سمجھنے اور محفوظ رکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ لہٰذا طلبہ کو چاہیئے

کہ حاضر سبق ہو کر توجہ اور دھیان سے تقریر کو سنیں اور محفوظ رکھیں۔ (مولف)

سوال ذرا یہ بھی بتلاتے چلیں کہ کیا نحو، صرف کے لحاظ سے حروف زائدہ الگ الگ ہیں؟

جواب جی ہاں نحو میں حروف زائدہ سات ہیں: ۱ اِنْ ۲ اَنْ ۳ ما ۴ لا ۵ من ۶ باء ۷ لام نحو کی کتاب ملاحظہ فرمائیں۔(مولف)

سوال علامت مضارع ماضی کے شروع میں کیوں آتی ہے۔ آخر میں کیوں نہیں جبکہ زیادتی آخر میں ہونی چاہیئے۔؟

جواب آپ کی بات درست ہے کہ تغیر و تبدل کا مقام آخری کلمہ ہوتا ہے لہٰذا زیادتی حروف مضارع آخر میں ہونی چاہیئے لیکن ایسا نہیں اس کے دو جوابات ہیں۔ اوّل جواب صاحب تبیان یہ دیتے ہیں کہ شروع میں علامت مضارع اس لئے لاتے ہیں تاکہ ابتدائے کلم سے ہی مضارع کا صیغہ معلوم ہو جائے اور آخر یا وسط کلمہ میں لانے سے نقصان و حرج یہ ہے کہ شروع میں ماضی کا صیغہ معلوم ہوگا پھر آخر میں علامت مضارع دیکھنے سے مضارع کا صیغہ معلوم ہوگا جو کہ انتشار کا باعث ہے اس لئے علامت مضارع کے لئے شروع کلمہ متعین کیا گیا۔ دوسرا جواب شیخ احمد بن سلیمان و علامہ مہدی یہ تحریر کرتے ہیں کہ حروف مضارع اگر آخر کلمہ میں لائے جائیں تو ماضی اور مضارع سے التباس لازم آئے گا اس طرح کہ حروف اَتَیْنَ سے اگر الف لایا جائے تو تثنیہ ضَرَبَا سے التباس ہوتا اور تاء متحرکہ زائدہ کی صورت میں مذکر و مؤنث حاضر و متکلم سے التباس لازم آئے گا جیسے ضَرَبْتَ اور تاء ساکنہ کی صورت میں صیغہ مؤنث غائب ضَرَبَتْ سے اشتباہ ہوتا اور نون زائد کے وقت جمع مؤنث غائب سے التباس ہوتا۔ حرف یاء سے اگرچہ اختلاط نہ ہوتا لیکن یاء کو بھی ان تین حرفوں پر محمول کر لیں گے۔ لہٰذا اس میں حکما

التباس ہوگا۔[1]

سوال علامتِ مضارع ثلاثی مجرد میں مفتوح اور رباعی میں مضموم کیوں ہوتی ہے؟

جواب شیخ احمد بن سلیمان وصاحب الحنفیہ وغیرہ لکھتے ہیں کہ ثلاثی مجرد کثیر الاستعمال ہے۔ لہٰذا اس کے مناسب فتحہ اخف الحرکات دیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ثلاثی اصل ہے اور رباعی فرع۔ کیونکہ ثلاثی کے بغیر رباعی کا وجود متصور نہیں اور ضمہ ثقیل، فتحہ خفیف ہونے کے اعتبار سے فتحہ اصل اور ضمہ فرع ہوا۔ لہٰذا اصل کو اصل دیا اور فرع کو فرع یا یہ کہ ضمہ کی ادائیگی میں دونوں ہونٹ ملانے کا محتاج ہوتا ہے اور فتحہ میں نہیں۔ اس لئے محتاج ہونا فرع اور عدم محتاج اصل۔ لہٰذا اصل (ثلاثی مجرد) کو اصل (فتحہ) دیا گیا اور فرع (رباعی) کو فرع (ضمہ) دیا گیا۔ صاحب الحنفیہ مزید ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ رباعی میں ضمہ قلت استعمال ہے۔ اس لئے قلیل (رباعی) کو (ثقیل) ضمہ دیا گیا تاکہ اعتدال برقرار رہے۔ چنانچہ علامہ عبدالحیٔ ان الفاظ میں قلمطراز ہیں "ضمہ فرع فتحہ است پس فرع را بفرع دادن اولیٰ است"۔[2]

سوال ضمہ فتحہ کی فرع کیسے ہوگئی جبکہ دونوں میں کوئی تعلق نہیں؟

جواب آپ پریشان و مضطرب نہ ہوں ضمہ فتحہ کی فرع اس لئے ہے کہ فتحہ کے تلفظ کے وقت ہونٹ اپنی حالت پر برقرار رہتی ہے اور ضمہ کے تلفظ میں ہونٹ اپنی حالت پر نہیں رہتی جبکہ اپنی حالت پر برقرار رہنا اصل ہے اور نہ رہنا یعنی تغیر و تبدل ہونا یہ فرع ہے۔ لہٰذا ضمہ فرع اور فتحہ اصل ہوا۔ زیراچہ وقت تلفظ فتحہ لب برحال خود میماند وقت تلفظ ضمہ۔[3] الخ

سوال ابھی آپ نے بتایا کہ رباعی کو قلت استعمال کی بناء پر ضمہ دیا

---

۱ الحنفیہ ص۸۰ تبیان ص۲۲، فلاح ص۶۸ حاشیہ مراح ص۵۲ ہند و پریس دہلی مراح وعزی ص۸

۲ الحنفیہ ص۸۵ تبیان ص۲۲ فلاح ص۱۷ درایہ ص۲۱۳، مراح وعزی ص۸ ۳ تبیان ص۲۲

گیا تو فعل خماسی اور سداسی کو کیوں نہیں ضمہ دیتے جبکہ یہ بھی قلیل الاستعمال ہے؟

جواب آپ کا قیاس قیاس مع الفارق پر مبنی ہے اس لئے کہ خماسی اور سداسی رباعی کی بہ نسبت بہت زیادہ ثقیل ہیں کیونکہ حروفِ رباعی کے بالمقابل ان دونوں میں زیادہ حروف ہیں۔ اگر ضمہ دے دیا جائے تو ستم در ستم یعنی دو ثقیل کا جمع ہونا لازم آئے گا اسی لئے فعل خماسی و سداسی میں علامت مضارع مفتوح ہوتے ہیں![1]

سوال ثلاثی مجرد کے صیغۂ مضارع میں فا کلمہ ساکن کیوں ہوتا ہے؟

جواب تاکہ مسلسل چار حرکات کا اجتماع لازم نہ آئے[2]

سوال رباعی میں مضارع کا فا کلمہ ساکن کیوں نہیں ہوتا؟

جواب علامہ عبدالحیٔ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس جگہ کوئی کراہت لازم نہیں آتی۔ لہٰذا اس میں ساکن کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ کسی مجبوری کے پیشِ نظر ساکن کا وقوع ہوتا ہے جیسا کہ ثلاثی مجرد میں توالیٔ حرکات اربعہ ساکن کی بنیاد ہے[3]

سوال علامت مضارع میں سے الف کو صیغۂ واحد کے لئے کیوں متعین کیا؟

جواب اس کے دو۲ جوابات ہیں:

اوّل جواب یہ ہے کہ ضمیر متکلم "اَنَا" اور الف کے درمیان موافقت ہے کیونکہ ضمیر مرفوع منفصل "اَنَا" میں الف کا وجود ہے۔ لہٰذا صیغۂ واحد متکلم مضارع میں بھی ہونا چاہیئے تاکہ باہم مناسبت رہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ الف اور متکلم میں نسبت تامہ ہے۔ اسطور پر کہ متکلم سے کلام کی ابتداء ہوتی ہے اور الف بھی مبداء مخارج ہے کیونکہ اقصیٰ (غایت) حلق سے الف کا صدور ہوتا ہے۔ لہٰذا مبداء کے اعتبار سے دونوں میں مناسبت پائی گئی

---

[1] الحنفیہ ص۸۵، حاشیہ مراح ص۵۵، ہند پریس۔ درایہ ص۲۱۳

[2] تبیان ص۲۳، الحنفیہ ص۸۶، فلاح ص۴۲، مراح وغیرہ ص۸ [3] تبیان ص۲۳

اس لئے مضارع متکلم کے لئے الف کا ہی انتخاب کیا گیا۔[1]

سوال علامت مضارع میں سے حرف تاء کو صیغہ مخاطب کیلئے کیوں متعین کیا؟

جواب یہ تاء اصل میں واؤ سے بدلی ہوئی ہے اور واؤ چونکہ منتھیٰ مخارج میں سے ہے کیونکہ واؤ سفویہ ہے اور کلام بھی مخاطب پر منتہی اور پورا ہوتا ہے لہٰذا تاء اور مخاطب میں انتہاء کی مناسبت سے تاء کو مخاطب کے لئے متعین کر دیا گیا۔[2]

سوال تاء کو واؤ سے کیوں بدلا گیا جبکہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔؟

جواب معترض صاحب ظاہراً تو آپ کو ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے مگر اس کی حکمت یہ ہے کہ واؤ مخاطب کو حرف تاء سے اس لئے بدلتے ہیں کہ افعال کے ہفت اقسام میں سے مثال واوی وَجَلَ پر اگر علامت خطاب دوسرا واؤ داخل کیا جائے تو وَوْجَلَ ہو جائے گا اور بسا اوقات واؤ عطف داخل ہو جانے سے وَوَوْجَلَ تین واؤ کے ساتھ ہو جائے گا جو کہ کتّوں کے بھونکنے کے مشابہ ہے۔ لہٰذا تین واؤ کا کلمہ واحدہ میں اجتماع غیر پسندیدہ ہونے کی بنا پر واؤ کو تاء سے بدل دیا جاتا ہے اور چونکہ واؤ اور تاء دونوں قریب المخارج ہیں اس لئے تاء سے ہی بدل دیتے ہیں۔ چنانچہ واؤ کا تاء سے بدلنا کلام عرب میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ جیسے اَلتُّکْلَانُ اصل میں اَلْوُکْلَانُ۔ تُرَاثٌ، اصل میں وراث تُجَاہُ اصل میں وجاہ اور تُخَمَۃٌ اصل میں وَخَمَۃٌ وغیرہ۔[3]

---

[1] [2] زنجانی ص۲۰، صرف میر ص۱۲، فلاح ص۶۹، الحنفیہ ص۸۲، تبیان ص۲۴ مراح وعزی ص۸

[3] الحنفیہ ص۸۲،۸۳، زنجانی ص۲۰، تبیان ص۲۴ فلاح ص۶۹،۷۰ حاشیہ صرف میر ص۱۱ مراح وعزی ص۸

سوال: آپ نے تین واؤ کے اجتماع کو مستکرہ کہا ہے جبکہ کلام باری 'اووا و نَصَرُوا میں کئی واؤ ہیں پھر یہاں کیا علت ہے ؟

جواب: صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ کلمہ واحدہ میں اجتماع واوات مکروہ ہے اور یہاں دو۲ کلمے ہیں۔ لہٰذا یہاں غیر پسندیدہ، اور ناجائز نہیں اور بھی اس کے کئی جوابات ہیں جنہیں طوالت کے پیشِ نظر ترک کیا جاتا ہے[۱]۔

سوال: علامت مضارع میں سے حرف یاء کو غائب کے لئے کیوں منتخب کیا گیا ؟

جواب: یاء کی ادائیگی وسط فم سے ہوتی ہے اور غائب متکلم ومخاطب کے درمیان متوسط درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا دونوں میں متوسط کی مناسبت پائی گئی اس لئے غائب کے لئے حرف یاء کو مقرر کیا۔ اس کا دوسرا جواب محشی زنجانی یہ لکھتے ہیں کہ یاء دو۲ کسروں سے مرکب ہے اور حرکت ضمہ وفتحہ میں ثقیل وخفیف ہونے کے لحاظ سے کسرہ متوسط حرکت ہے۔ لہٰذا حرف یاء کو غائب کے لئے متعین کر دیا گیا۔ چنانچہ علامہ ابن کمال پاشا لکھتے ہیں: لِاَنَّ الْيَاءَ مِنْ وَسْطِ الْفَمِ وَالْغَائِبُ هُوَ الَّذِيْ يَكُوْنُ فِيْ وَسْطِ الْكَلَامِ بَيْنَ الْمُتَكَلِّمِ وَالْمُخَاطَبِ[۲]۔ الخ

جواب: ذرا یہاں ایک ضمنی بات یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صیغہ غائب کیوں مستعمل ہے۔ چنانچہ "یَقُوْلُ اللّٰہُ" کہتے ہیں باوجودیکہ وہ ذات شہ رگ سے زیادہ قریب ہے ؟

جواب: آپ نے بہت اہم سوال کیا ہے۔ چنانچہ جواب ملاحظہ ہو کہ یہ ایک مسلم الثبوت اور ناقابلِ تردید صداقت ہے کہ خالق کائنات خداوند قدوس غائب تو کجا ہر وقت ساتھ ہیں مگر چونکہ حواس ظاہرہ سے مخفی اور غائب

---

۱ الحنفیہ ص۸۳ فلاح ص۸، ۲ مراح د عربی، الحنفیہ ص۸۴ فلاح ص۸، زنجانی ص۲۱، تبیان ص۲۵

ہیں۔اس لئے صیغہ غائب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔چنانچہ علامہ عبد الحیؒ ارقام فرماتے ہیں "بسبب غیبوبت آں بحسب ظاہر حواس[1]"

سوال اللہ تعالیٰ کے لئے صیغہ مذکر کیوں لایا جاتا ہے جبکہ اس کی ذات مذکر و مؤنث سے پاک ہے؟

جواب مذکر کی برتری اور شرافت و فضیلت کی بناء پر صیغہ مذکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔علامہ مہدی صاحب الحنفیہ مذکورہ دونوں سوالات کے جواب میں تحریر کرتے ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے صیغہ مذکر و غائب مستعمل ہوا ہے اس سے مراد لفظ اللہ ہے نہ کہ اس کی ذات مقدس۔لہٰذا اس صورت میں کوئی قباحت نہیں[2]!

سوال علامت مضارع میں سے حرف نونؔ کی تعیین صیغہ تثنیہ و جمع متکلّم کے لئے کیوں ہوئی؟

جواب چونکہ ضمیر مرفوع منفصل جمع متکلم "نَحْنُ" میں نون ہے اس لئے مناسبت کے تحت صیغہ جمع متکلم میں بھی نون کا اضافہ کر دیا گیا۔دوسرا جواب یہ ہے کہ حرف نونؔ مخرج میں حرف علت کے مشابہ ہے کیونکہ حروف علت میں خفاء اور غنّہ ہوتا ہے اور نونؔ بھی چونکہ ناک کی آواز سے تعلق رکھتا ہے اور حروف علت میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔اس لئے کہ متکلم کے لئے الف اور غائب کے لئے یاء اور خطاب کے لئے تاء مقرر کر دیا بچ گیا صیغہ جمع متکلم مضارع تو اس کے لئے حروف علت کے مشابہ حرف نونؔ کو مقرر کر دیا۔چنانچہ صاحب فلاح علّامہ ابن کمال پاشا لکھتے ہیں: لِاَنَّهٗ لَمْ يَبْقَ مِنْ حُرُوْفِ الْعِلَّةِ حُرُوْفٌ وَالنُّوْنُ قَرِيْبٌ مِنْ حُرُوْفِ الْعِلَّةِ[3]۔الخ

سوال فعل مضارع کے صیغہ واحد اور تثنیہ مؤنث غائب میں

---

[1] تبیان ص۲۵ الحنفیہ ص۸۴ بتغیر [2] الحنفیہ ص۸۴ تبیان ص۲۵ حاشیہ زنجانی ص۲۱

[3] حاشیہ صرف میر ص۱۲، فلاح ص۸ الحنفیہ ص۸۴ زنجانی ص۲۰ تبیان ص۲۴ مراح وعزی ص۸

تاء کیوں لاتے ہیں جبکہ مذکر حاضر میں بھی تاء ہوتی ہے؟

جواب اس لئے کہ فعل ماضی کے صیغہ مونث غائب میں تاء لائی جاتی ہے اسی مناسبت سے فعل مضارع میں بھی لاتے ہیں تاکہ ماضی اور مضارع میں مناسبت باقی رہے نیز اس کا جواب محشیٔ زنجانی نوادرالاصول کے حوالہ سے اس طرح دیتے ہیں کہ مؤنث مذکر کی فرع ہے اور تاء بھی فرع چونکہ وہ واؤ سے بدلی ہوئی ہے جیساکہ ماسبق میں معلوم ہوا۔ لہٰذا فرع کو فرع دیا گیا۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں صیغۂ حاضر سے التباس لازم آئے گا تو محشیٔ زنجانی مفتاح السّعدیہ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ غائب کا حاضر سے التباس آسان ہے۔ بمقابلہ غائبہ کا غائب سے کیونکہ مخاطب کا حال ظاہر ہوتا ہے مگر مذکر ومؤنث کا پتہ نہیں چلتا۔" مؤنث فرع مذکر است وتا نیز چوں دریں جا بدل از واو است چنانکہ دانستہ در سابق......

هٰذَا اَسْهَلُ لِاَنَّ حَالَ الْمُخَاطَبِ ظَاهِرٌ فَالْتِبَاسُ الْغَائِبِ بِالْمُخَاطَبِ[1]۔ الخ

سوال ماضی میں مؤنث کی تاء ساکن ہوتی ہے اور مضارع میں تاء متحرک ایسا کیوں؟

جواب میں نے ماضی اور مضارع میں تاء کو صرف ترکیب کے اعتبار سے ثابت کیا ہے۔ حرکت کے اعتبار سے نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ فعل مضارع میں تاء متحرک ابتداء بالسکون سے بچنے کے لئے ہے کیونکہ اگر مضارع کی تاء کو حرکت نہ دی جائے تو ابتداء بالسکون لازم آئے گا جو متعذر اور ناممکن ہے۔ چنانچہ علاّمہ مہدی لکھتے ہیں؛

---

[1] حاشیہ صرف میر ص۱۱، حاشیۂ زنجانی ص۲۱، تبیان ص۲۵، الخفیہ ص۸۸ فلاح ص۴۳

لِاَنَّ اِسْتِوَاءَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ فِى الْمُخَاطَبِ وَفِى الْغَائِبَةِ مِنْ حَيْثُ التَّرْكِيْبِ وَهُوَ وُجُوْدُ التَّاءِ فِيْهِمَا لَا مِنْ حَيْثُ الْحَرَكَاتِ[1] الخ

سوال ثلاثی مجرد میں مضارع کی تاء کو ضمہ یا دوسری حرکت کیوں نہیں دی گئی فتحہ ہی کیوں؟

جواب اوّل جواب تو یہ ہے کہ اگر ضمہ دیا جاتا تب بھی اشکال برقرار رہتا کہ کسرہ یا فتحہ کیوں نہیں دیا گیا۔ لہٰذا واضعینِ صرف کی صواب دید پر مبنی ہونے کے باعث فتحہ دیا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ضمہ دیا جاتا تو مضارع مجہول سے التباس لازم آتا اس لئے ضمہ نہیں دیا گیا اور کسرہ دینے کی صورت میں اُس طبقہ کی لغت سے التباس لازم آتا جو ماضی کے مکسور العین میں حروف مضارع کو کسرہ دیتے ہیں۔ لہٰذا جب ضمہ اور کسرہ کی حرکت ممنوع تو تیسری حرکت فتحہ متعین ہو گیا[2]

جوابِ دوم پر راقم الحروف کا نقد

راقم الحروف کہتا ہے کہ عدم ضمہ کی وجہ مضارع مجہول سے التباس درست نہیں کیونکہ ضمہ کی صورت میں مضارع مجہول سے اس وقت التباس لازم آئیگا۔ جبکہ مضارع کے آخر کا ماقبل مفتوح ہو اور معروف میں مکسور ہوتا ہے اور یہاں معروف کی بات زیرِ بحث ہے نہ کہ مجہول۔ (مؤلف)

سوال مضارع کے جمع مونث غائب یفعلن میں تاء کیوں نہیں لائی جاتی؟

---

[1] الحنفیہ ص۸۸، فلاح ص۴۷، تبیان ص۲۵

[2] الحنفیہ ص۸۸،۸۹، فلاح ص۴۷، حاشیہ مراح ص۵۷

جواب اس لئے کہ فعل ماضی کے صیغۂ جمع مؤنث غائب میں تاء موجود نہیں۔ لہٰذا اصل کی طرف رجوع کرکے اس صیغہ میں حرف تاء نہیں لایا گیا ورنہ اصل و فرع میں مناسبت کے بجائے مخالفت لازم آتی۔ محشّیٔ زنجانی نے اس اشکال کے جواب پر خوب شرح و بسط سے کلام کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ غائب اور یاء میں مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس طرح کہ مخارج میں یاءٔ واؤ و الف کے درمیان متوسط کی حیثیت رکھتی ہے اور غائب بھی متکلم و مخاطب کے درمیان دائر ہے: جُعِلَ هٰذَا الْجَمْعُ بِالْيَاءِ الْمُنَاسَبَةِ الْغَائِبِ[1] الخ

سوال واحد و تثنیہ مونث غائب میں تاء کیوں لائی جاتی ہے؟

جواب محشی زنجانی ارقام فرماتے ہیں کہ مؤنث غائب میں دو۲ حیثیت ہیں۔ (۱) تانیث (۲) غائب ثانی یعنی غائب کو حرف یاء دیا گیا کیونکہ غائب اور یاء میں مناسبت ہے جیسا کہ ابھی ابھی معلوم ہوا اور اوّل حیثیت یعنی تانیث کے لئے تاء دی گئی جس کی دو۲ وجوہات ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ تاء علامت تانیث ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تانیث تذکیر کی فرع ہے۔ لہٰذا پہلی حیثیت کو صیغۂ واحد اور تثنیہ کے لئے اختیار کیا جو کہ جمع کی بہ نسبت دونوں اصل ہیں اور دوسری حیثیت (غائب) کے لئے یاء کو اختیار کیا۔ لِاَنَّ لِلْمُؤَنَّثِ الْغَائِبِ لَهٗ حَيْثِيَتَانِ اَحَدُهُمَا۔[2]

سوال تَفْعَلِيْنَ صیغۂ واحد مؤنث حاضر میں یاء کیوں زائد کیا گیا؟

جواب علامہ عبدالحی لکھتے ہیں کہ اخفش نحوی کے نزدیک حرف یاء مونث حاضر کی علامت ہے اور اس کا فاعل مستتر و پوشیدہ ہوتا ہے

---

[1] حاشیہ زنجانی صا۲، تبیان ص۲۵

[2] حاشیہ زنجانی صا۲

جمہور کے نزدیک حرف یاء ضمیر فاعل ہے۔ جیسا کہ تَفْعَلُوْنَ میں واؤ
لیکن موصوف مذکور صاحب تبیان اخفش نحوی کے قول کی تضعیف و تردید کرتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ اگر یاء کو بقول اخفش نحوی خطاب کی علامت قرار دی جائے تو صیغہ
جمع مؤنث حاضر میں دو۲ علامات کا اجتماع ہونا لازم آئے گا۔ ایک علامتِ خطاب
تاء جو شروع میں موجود ہے۔ اور دوسری علامت یاء اور یہ مکروہ و غیر
پسندیدہ ہے اور اگر فرار اختیار کرنے کے لئے یہ کہا جائے کہ اس صورت میں
صرف علامت تانیث یاء ہے اور علامت خطاب تاء نہیں تو یہ التزام
بلا لزوم ہوگا۔[1]

راقم الحروف کی جانب سے اخفش نحوی کی تائید

علّامہ عبدالحی نے اخفش نحوی کے مذکورہ عندیہ سے اختلاف
کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ صحیح نظریہ نہیں اور بطلان کا یہ معیار بنایا کہ دو علامات کا
جمع ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ ایک کلمہ میں دو۲ علامات ہو سکتے
ہیں مثلاً تَفْعَلْنَ میں علامت خطاب حرف تاء ہے اور علامت
تانیث نون ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اور یہ درست ہے۔ لہٰذا صاحبِ
تبیان کا اخفش نحوی کے مسلک کی تردید بے جا معلوم ہوتی ہے! (مؤلف)

سوال اخفش نحوی کے نزدیک مؤنث حاضر کی علامت حرف یاء
کیوں ہے؟

جواب اس لئے کہ ھٰذِیْ (جو کہ اشارہ واحد مونث بعید
کے لئے آتا ہے) میں حرف یاء مؤنث حاضر کی علامت ہے۔ اسی کو
مستدل بناتے ہوئے اخفش نحوی حرف یاء کے علامت مؤنث حاضر ہونے کے

---

[1] تبیان ص۲۵

قائل ہیں" بہ سبب آنکہ در ھٰذی یا علامت تانیث حاضر است" [۱]

سوال: تَفْعَلِیْنَ صیغہ واحد مونث حاضر میں یاء ضمیر فاعل کو ظاہر کیا مستتر کیوں نہیں کیا؟

جواب: تاکہ صیغۂ واحد اور جمع میں فرق ہو جائے اور اس کا جمع مؤنث حاضر تَضْرِبْنَ کے درمیان التباس لازم نہ آئے۔ [۲]

سوال: مضارع کے صیغۂ واحد مونث حاضر میں اگر یاء کو ضمیر فاعل مستتر کر دیا جائے اور ماقبلِ نون حرکت دیدی جائے تو کوئی التباس لازم نہیں آتا ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: آپ نے ایک پھندے سے بچنے کی تدبیر تو کی مگر دوسرا پھندا سامنے ہے وہ یہ کہ ایسی مذکورہ صورت اختیار کرنے میں نون ثقیلہ اور نون خفیفہ سے التباس لازم آتا جبکہ اس سے بچنا اشد ضروری ہے۔ چنانچہ صاحب تبیان تحریر فرماتے ہیں" دریں صورت التباس بنون ثقیلہ۔ الخ

سوال: مضارع کے صیغہ واحد وجمع مؤنث حاضر کے درمیان فرق و امتیاز کے لئے یاء ضمیر فاعل مستتر کر کے حرف نون کیوں نہیں حذف کر دیا جاتا؟

جواب: آپ نے اگرچہ بہت لمبا تیر پھینکا مگر صحیح نشانہ پر لگ نہیں سکا کیونکہ اس صورت میں واحد مذکر حاضر سے التباس لازم آئے گا اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ [۳]

سوال: نون اعرابی سات صیغوں میں کیوں آتا ہے۔؟

جواب: ضمیر فاعل سے غایتِ اتصال کے سبب نون اعرابی لایا جاتا ہے۔ چونکہ واو الف اور یاء فعل کے آخر میں وسط کلمہ کے قائم مقام ہو کر علامت رفع ہو جاتے ہیں اور فعل مضارع معرب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ضمائر سے

---

[۱] تبیان ص۲۵ [۲] تبیان ص۲۵ [۳] تبیان ص۲۵

پہلے اعراب لایا جاتا ہے تو گویا ظاہری اعتبار سے بیچ میں پڑتا ہے اور اگر ضمیروں پر اعراب داخل کیا جائے تو حقیقت میں دوسرے کلمہ پر اعراب کا دخول ہوگا اس لئے لامحالہ اعرابِ رفع کے عوض نونؔ لایا جاتا ہے جسے نون اعرابی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحیؒ صاحبِ تبیان تحریر فرماتے ہیں" بہ سبب غایت اتصال ضمائر چوں واؤ و یاء والف آخر فعل بمنزلہ وسط کلمہ شد فعل مضارع معرب است[1]"۔

سوال اعرابِ رفع کے بدلہ میں حرف نونؔ کو ہی کیوں خاص کیا؟

جواب اس کے متعلق علامہ مہدی صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ حرف مدّولین کلام میں زیادہ آنے کی بناء پر حرف نونؔ اولیٰ اور بہتر ہے اور چونکہ حروف مدّولین میں سے زیادتی بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ واؔو یا الف یا یاء میں سے زائد کیا جائے تو مثلین (یعنی ایک حرف کا ڈبل ہونا) لازم آئے گا لہٰذا اس کے مشابہ حرف نونؔ کو اعراب کی جگہ متعین کر دیا۔ شیخ عبدالحیؒ اس کے جواب میں یوں لکھتے ہیں کہ نون واؤ کے مناسب ہے کیونکہ واؔؤ دوضمہ سے مل کر بنتا ہے اور مضارع کا اعراب بھی رفع ہے۔ لہٰذا رفع کی مناسبت سے حرف نونؔ متعین کیا گیا۔ صاحبِ فلاح لکھتے ہیں کہ نون جو عوض رفع ہے۔ اوّل احوال اعراب میں سے ہے اس لئے اس کو متعین کیا گیا۔ لانّہ اوّل احوال الاعراب[2]۔

سوال نون اعرابی تثنیہ کے چار صیغوں میں مکسور اور باقی تین میں مفتوح ایسا کیوں؟

جواب اس لئے کہ جمع مذکر غائب و جمع مذکر حاضر میں نون کے ماقبل واؤ ہوتا ہے اور واحد مؤنث حاضر میں ماقبلِ نون یاء ہوتی ہے۔ واؤ اور یاء چونکہ دونوں ثقیل ہیں۔ لہٰذا اگر ان تین صیغوں میں کسرہ یا ضمہ دیا جائے تو ثقل میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے اخف الحرکات فتحہ ان تین صیغوں کو دیا تاکہ تعادل

---

[1] تبیان ص۲۶ الحنفیہ ص۸۹، فلاح ص۷۵، حاشیہ مراح ص۵۸ [2] ایضًا

برقرار رہے اور چار صیغۂ تثنیہ میں چونکہ نون کے ماقبل الف ہوتا ہے۔ لہٰذا نون ہر اعراب کا متحمل ہو جائے گا اور قاعدہ اَلسَّاکِنُ اِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْکَسْرِ کے تحت کسرہ کو ترجیح دیتے ہوئے کسرہ دیا نیز کسرہ اور تثنیہ میں چونکہ مناسبت ہے کیونکہ ضمہ فتحہ میں کسرہ متوسط حرکت ہے اور واحد و جمع میں تثنیہ متوسط ہے۔ لہٰذا متوسط کو متوسط دینا اولیٰ اور بہتر ہے مزید ایک وجہ لکھتے ہیں کہ اسم تثنیہ سے مشابہت کے سبب بھی چار صیغوں میں نون اعرابی کو کسرہ دیا گیا جیسے رَجُلَانِ تَضْرِبَانِ[1]۔

سوال نون اعرابی فعل مضارع کے آخر ہی میں کیوں آتا ہے؟

جواب جیسا کہ ابھی ماقبل میں معلوم ہوا کہ نون اعرابی اعراب رفع کے عوض میں ہوتا ہے اور چونکہ اعراب کا محل آخری کلمہ ہوتا ہے اس لئے نون اعرابی بھی آخر میں آتا ہے تاکہ دیگر اعراب کے احکام اس میں جاری ہو جائیں۔ چنانچہ صاحبِ تبیان ان الفاظ میں قلم طراز ہوتے ہیں: نون اعرابی بدلِ اعراب است و محل اعراب آخر کلمہ است انتہیٰ[2]

سوال آپ کی مذکورہ تفصیل پر پھر اشکال یہ ہوتا ہے کہ محل اعراب کے لئے آخری کلمہ کیوں مقرّر ہوا؟

جواب آپ کا اعتراض عدم معلومات اور مطلولات کی نارسائی پر مبنی ہے کیوں کہ اعراب کلمہ کی صفت فاعلیت یا مفعولیت پر دال ہوتا ہے اور صفت کا رتبہ و درجہ موصوف کے بعد ہوتا ہے۔ لہٰذا صفتِ اعراب بھی موصوف (کلمہ) کے بعد یعنی آخر میں آئیگا تاکہ موصوف اور صفت کے مقام و رتبہ میں کوئی خلل نہ آئے۔ بایں وجہ محلِ اعراب آخرِ کلمہ ہوا![3]

سوال جب نون اعرابی اعراب رفع کے عوض ہے تو یَفْعَلُوْنَ وَ

---

[1] تبیان ص۲۶۔ [2] تبیان ص۲۶ [3] تبیان ص۲۶

تَفْعَلُوْنَ میں رفع کے باوجود نون اعرابی کیوں آیا؟

جواب آپ کا اشکال بظاہر بہت وزنی ہے مگر باریک بین کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں کیونکہ دونوں مثالوں میں واؤ ضمیر فاعل ہے اور اس کے ماقبل ضمہ واؤ کی مناسبت سے ہے۔ لہٰذا وہ اصل اعراب نہیں بلکہ نون اعرابی ہے جو رفع کے بدلہ میں ہے اسی کو علامہ عبدالحیؒ یوں لکھتے ہیں کہ یَفْعَلُوْنَ وتَفْعَلُوْنَ میں رفع رفعِ واحد (اصلی) نہیں ہے بلکہ واؤ کی مناسبت سے دیا گیا ہے اس لئے ظاہری رفع کو اعراب قرار دینا درست نہیں[1]

سوال صیغۂ جمع مؤنث غائب یَفْعَلْنَ کا نون، نونِ اعرابی کیوں نہیں ہے؟

جواب آپ کا اعتراض بجا ہے کہ فعل مضارع کے آخر میں آنے والے تمام نون نون اعرابی ہوتے ہیں تو پھر جمع مؤنث غائب سے کیا بغض وعناد تھا جو نون اعرابی قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ صاحب فلاح علامہ ابن کمال پاشا وعلامہ جہدی صاحب الحنفیہ یہ لکھتے ہیں کہ اس میں نون نونِ رفع نہیں بلکہ جمع مونث غائب کی علامت ہے جیسا کہ فَعَلْنَ صیغہ ماضی میں ہے اسی طرح یَضْرِبْنَ میں ہے اور نون کی علامتِ رفع نہ ہونے کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس کا نون عامل ناصب وجازم کے وقت ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ یَضْرِبَانِ وَ یَضْرِبُوْنَ اور تَضْرِبِیْنَ سے الف واؤ اور یاء ساقط نہیں ہوتے بخلاف نون اعرابی کے کہ وہ اعراب بالحروف ہیں اسی وجہ سے ناصب وجازم کے وقت ساقط ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صیغہ جمع مؤنث غائب یَضْرِبْنَ کو تَضْرِبْنَ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس صورت میں دو علامت تانیث تاء اور نون کا اجتماع ہونا لازم آئے گا[2]

---

[1] تبیان ص۳۶ مع اضافہ۔ [2] الحنفیہ ص۹۰ فلاح ص۷۵ حاشیہ مراح ص۵۹

محشئ زنجانی کا جواب

محشئ زنجانی اس کا جواب واشگاف لفظوں میں یہ دیتے ہیں کہ سوال کی دونوں مثالوں میں ضمیر کی علامت ہے۔ اعراب کی علامت نہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ نون ضمیر جزوِ کلمہ کے درجہ میں ہوتا ہے اور جب نون کو جزوِ کلمہ کا مرتبہ مل گیا۔ لہٰذا توالئ حرکات اربعہ سے بچنے کے لئے اس کے ماقبل کو ساکن کر دیا[1]

سوال تَفْعَلِيْنَ صیغۂ واحد مؤنث حاضر میں دو علامت تانیث کا اجتماع ہو رہا ہے؟

جواب صیغۂ واحد مؤنث حاضر میں دو علامتِ تانیث نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی ہے کیونکہ تَفْعَلِيْنَ میں یاء تحتانیہ ضمیرِ فاعل ہے علامت تانیث نہیں اور تاء برائے تانیث اور آخر کا نونَ، نونَ اعرابی ہے۔ اسی کو شیخ احمد بن سلیمان نے بھی کہا ہے۔ چنانچہ صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں:

بِاَنَّ الْيَاءَ التَّحْتَانِيَّةَ ضَمِيْرُ الْفَاعِلِ
لَا عَلَامَةَ التَّانِيْثِ[2] الخ

---

[1] حاشیہ زنجانی ص۲۷

[2] الحنفیہ ص۹۰، فلاح ص۷۶

مضارع کے معنی اصلی حال و استقبال میں نحویوں کا اختلاف

سوال فعل مضارع کے معنی میں حال اصلی معنی ہے یا استقبال؟

جواب اس سلسلہ میں علامہ رضی الدّین استرآبادی و محشّی زنجانی نے شرح وبسط سے کلام کیا ہے جس کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ فعل مضارع کے معنیٰ حال استقبال میں تین مذاہب ہیں:

مذہب اوّل پہلا مذہب جمہور کا (جس کو علامہ جار اللہ زمخشری نے بھی اختیار کیا ہے) یہ ہے کہ فعل مضارع حال واستقبال کے معنی میں مشترک ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ فعل مضارع کا اطلاق حال و استقبال کے معنی پر ایسا ہے جیسا کہ مشترک الفاظ کا اطلاق معانی متعددہ کے لئے ہوتا ہے اور دو معنوں میں سے ایک معنی حرف سین وسوف کے قرینہ سے متعین کرتے ہیں جس طرح مشترک لفظوں کی تعیین قرائن سے ہوتی ہے کیونکہ اگر معنی حقیقی صرف حال مراد لیا جائے تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ فعل مضارع **یَفْعَلُ الْآنَ** تکرار کا فائدہ دے گا اور **یَفْعَلُ غَداً**، تناقض کا فائدہ اس لئے کہ **یفعل** حال پر دلالت کرے گا اور "**غداً**" مستقبل پر اور اگر صرف استقبال (زمانہ آئندہ) کو حقیقی معنی مانا جائے تو لازم مذکور کا برعکس لازم آئے گا یعنی "**یَفْعَلُ الْآنَ**"، تناقض کا فائدہ دے گا کیونکہ اس صورت میں **یَفْعَلُ** استقبال کے لئے اور **اَلْآنَ** حال کے لئے ہو جائے گا جو کہ تناقض کا باعث ہے اور دوسری مثال **یَفْعَلُ غَداً** تکرار کا فائدہ دیگی جو کہ ظاہر ہے اس

خرابی کے ازالہ کے لئے مذہب جمہور فعل مضارع کو حال واستقبال کے معنی میں مشترک قرار دینے کے قائل ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد عمر کابلی لکھتے ہیں: لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ حَقِيْقَةً فِى الْحَالِ فَيَتَنَاقَضُ بِالْغَدِ[1] الخ

مذہب دوم

دوسرا مذہب زجاج نحوی کا یہ ہے کہ مضارع میں استقبال کا معنی حقیقی ہے اور حال کا معنی مجازی۔ چنانچہ اپنے اس موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ زمانۂ حال کے وجود میں خفا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حکما و فلاسفہ وجود حال سے انکار کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہر وہ مقدار جو گزر گئی ماضی ہے باقی مستقبل اور زمانۂ حال حدّ مشترک اور ایک امر اعتباری ہے نفس الامر میں اس کا وجود نہیں کیونکہ وجود حال ماننے کی صورت میں ایک چیز کا دو چیزوں میں منقسم ہونا لازم آئے گا۔ چنانچہ علامہ رضی تحریر کرتے ہیں: وَقِيْلَ هُوَ حَقِيْقَةٌ فِى الْاِسْتِقْبَالِ مَجَازٌ فِى الْحَالِ لِخِفَاءِ الْحَالِ[2] الخ

محشیٔ زنجانی کی تنقید

محشیٔ زنجانی مذہب دوم زجاج نحوی کے موقف مع الدّلیل کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مذہب دوم کا قول مخدوش ہے کیونکہ عرف اور لغت میں وجود فعل کے سبب زمانۂ حال، زمانہ ماضی و مستقبل کی بہ نسبت ظہور کامل رکھتا ہے۔ چنانچہ زمانۂ ماضی قریب کے بعض اجزاء آخر اور مستقبل قریب کے بعض اجزاء اوّل کو زمانۂ حال دکھلاتے ہیں اور ان کے مجموعہ کو شیٔ واحد قرار دیتے ہیں اسی وجہ سے ایسے نمازی کے بارے میں جو بعض رکعات ادا کر چکے اور بعض رکعات باقی ہیں تو ...... هٰذَا يُصَلِّىْ سے تعبیر کرتے ہیں فلسفی اسرار و نکات کے مطابق بعض ارکان لاحقہ میں فساد ہو جانے سے ارکان لاحقہ اور ارکان سابقہ کا اعادہ لازم نہیں آتا جبکہ یہ خلاف واقعہ

---

[1] حاشیہ زنجانی ص۲۱، محرم آفندی جلد۲ ص۳۱۸ سوال کابلی پشاور ص۳۴۳، فلاح ص۶۷

[2] شرح رضی ص۲۲۶ جلد۲ بیروت، حاشیہ زنجانی ص۲۱، فلاح ص۶۸

ہے۔ مذہب دوم کے موقف پر اس قسم کے بہت سے قباحات لازم آتے ہیں[1]۔

مذہب سوم تیسرا مذہب ابن طراوہ کا ہے جس کا عندیہ یہ ہے کہ فعل مضارع میں حال کا معنی حقیقی ہے اور استقبال کا معنی مجازی اس مذہب کو اکثر محققین نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ علامہ وفہامہ نقاد فاضل شیخ رضی الدین استرآبادی شارح کافیہ علت پسندیدگی کو ان الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے رقمطراز ہیں: "وَهُوَ اقویٰ لِاَنَّهٗ اِذَا خَلَا مِنَ الْقَرَائِنِ لَمْ يُحْمَلْ اِلَّا عَلَى الْحَالِ یعنی تیسرا مذہب زیادہ قوی ہے اس لئے کہ جب فعل مضارع قرائن سے خالی ہوتے ہیں تو معنیٔ حال پر محمول کیا جاتا ہے جو کہ حقیقت و مجاز کے شایانِ شان ہے[2]!

سوال فعل مضارع کے معنی کو مستقبل کے ساتھ خاص کرنے کے لئے کلمہ سین اور سوف ہیں تو اوّل کو معرف باللام اور ثانی کو بغیر الف لام سوف کیوں استعمال کرتے ہیں؟

جواب السین معرف باللام کو ذکر کرنے کی وجہ محشی زنجانی لکھتے ہیں کہ اس سے اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس سے مطلق سین مراد نہیں بلکہ سین معہود یعنی استقبال جیسے سَيَخْرُجُ لہٰذا السین کا الف لام عہد خارجی ہے یا مضاف الیہ کے عوض اس صورت میں السین کا مطلب یہ ہوگا کہ سین استفعال جیسے اَسْتَخْرَجْتُهٗ مراد نہیں اسی طرح سین تحول جیسے اسْتَنْقَرَ الْبُغَاثُ مراد نہیں اور نہ ہی سین تاکید جیسے:

؎ سَاَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرَبُوْا

اور نہ ہی سین کسکسہ جیسے اَكْرَمْتُكِسْ غرض کہ سین استقبال کے علاوہ

---

[1] حاشیہ زنجانی ص ۲۱ تا ۲۲

[2] شرح رضی جلد ۲، ص ۲۲۶ حاشیہ زنجانی ص ۲۳، فلاح ص ۶۷

کوئی سین مراد نہیں۔ اس لئے اس کو معرف باللام لایا جاتا ہے۔ بخلاف کلمہ سوف کہ اس میں کوئی احتمالات نہیں اس لئے اس کو نکرہ لایا جاتا ہے۔ چنانچہ محشی زنجانی شروحات کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں: عُرِّفَ السِّيْنُ بِاللَّامِ دُوْنَ حُرُوْفِ سَوْفَ مَعَ اَنَّهُمَا لِلْاِسْتِقْبَالِ[1] الخ

سین کسکسہ کی تعریف

بنو تمیم کی لغت میں سین کسکسہ اس سین کو کہتے ہیں جو بحالتِ وقف کاف خطاب کے آخر میں مؤنث پر دلالت کرنے کے لئے لاحق کیا جاتا ہے جیسے اَكْرَمْتُكِسْ وَهِيَ لُغَةُ تَمِيْمٍ فَهِيَ السِّيْنُ الَّتِي تَلْحَقُهَا لِكَافِ الْمُؤَنَّثِ[2]۔

شین کشکشہ کی تعریف

قبیلہ بنی اسد یا ربیعہ اور عرب کی ایک جماعت حالتِ وقف میں کاف مؤنث کی جگہ شین استعمال کرتے ہیں۔ اسی کو شین کشکشہ کہا جاتا ہے جیسے اَلنَّشِ ذَاهِبَةٌ اسی طرح تَضْحَكُ مِنِّيْ اِنْ رَأَتْنِيْ اِحْتَرِشْ وَعَيْنَاشْ عَيْنَاهَا مذکورہ تینوں مثالوں میں کاف مؤنث کی جگہ شین آیا اصل میں اِنَّكِ اِحْتَرَكِ اور عَيْنَاكِ ہے[3]۔

سین کسکسہ و کشکشہ لانے کی ضرورت

شیخ رضی الدین استرآبادی کاف مؤنث کی جگہ اس سین کے استعمال کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ اگر اس کو لاحق نہ کیا جائے تو حالتِ وقف میں کافِ مذکر سے التباس لازم آئے گا۔ چنانچہ کافِ مذکر کی علامت عدم سین کو قرار دیا گیا ہے۔ لیکن دیگر کلمہ سے وصل کی صورت میں یہ سین نہیں آئے گا۔ کیوں کہ

---

[1] حاشیہ زنجانی ص۲۲

[2] شرح رضی جلد۲ ص۴۰۹، حاشیہ زنجانی ص۲۲

[3] شرح رضی جلد۲ ص۴۰۹ بیروت

اس صورت میں دونوں کاف (مذکر و مؤنث) کے درمیان کاف کی حرکت فرق کرنے کیلئے کافی ہے: فَاِذَا وَصَلُوْا بِهَا لَمْ يَاتُوْا بِهَا لِاَنَّ حَرَكَةَ الْكَافِ اِذَنْ كَافِيَةٌ فِى الْفَصْلِ[1] الخ۔

سوال محترم آپ تو خارجی باتوں میں پڑ گئے اب یہ بتائیے کہ کلمہ سینؔ و سوفؔ کو اصطلاح میں کیا کہتے ہیں!

جواب معترض صاحب! وہ خارجی باتیں نہیں ہیں بلکہ ضروری اور متعلق بحث ہیں۔ کیونکہ اس کی تشریح نہ ہونے پر اس سین کو سمجھ نہیں پاتے اس لئے اس کا تذکرہ ضروری تھا۔ اب آپ اپنے سوال کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ کلمہ سینؔ اور سوفؔ کو اصطلاح میں حروف تنفیس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ تنفیس کے معنی آتے ہیں فعل کو زمانہ حال کے لئے متعین نہ کر کے زمانہ استقبال تک مؤخر کرنا چنانچہ کہا جاتا ہے "نَفَّسْتُهٗ" یعنی وَسَّعْتُهٗ میں نے اس کو مؤخر کر دیا۔ لیکن کلمہ استقبال سینؔ و سوفؔ میں قدرے تفاوت ہے اس طرح کہ سین کی بہ نسبت کلمۂ سوف میں زیادہ تنفیس اس لئے کہ حروف کی کثرت معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ سین سوفؔ کا مخفف ہے تا کہ زمانۂ حال میں تقلیل حروف فعل کی قلت تاخیر و تقریب پر دلالت کرے۔ چنانچہ محشّیٔ زنجانی ارقام فرماتے ہیں:

نام ایں ہر دو حروف تنفیس چہ معنیٔ تنفیس تاخیر فعل است در زمانِ مستقبل و عدم تعیین الخ[2]

---

[1] شرح رضی جلد ۲ ص ۴۰۹

[2] حاشیۂ زنجانی ص ۲۲، فلاح ص ۶۷

سوف کی لغات

جواب کلمہ سوف جو معنیٰ استقبال کے ساتھ مختص کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس میں کتنی لغات ہیں؟

سوال شیخ عبدالوہاب بن ابراہیم صاحب زنجانی کے محشی اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کلمہ سوف میں چند لغات ہیں:

۱ حذف فاء کے ساتھ سَوْ۔ ۲ واؤ کو حرف یاء سے بدل کر "سَیْ"۔

۳ حذفِ واؤ اور ساکن فاء کے ساتھ "سَفْ"۔

۴ واؤ اور فاء، دونوں ساکن کے ساتھ سوف[1]۔

سوال لام مفتوحہ فعل مضارع کو معنیٰ حال کے ساتھ خاص کر دیتا ہے تو پھر وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ وَلَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا الآیۃ میں استقبال کا معنیٰ کیوں ہوتا ہے؟

جواب آپ کا اعتراض بظاہر درست ہے کہ مذکورہ صورت میں تضاد لازم آرہا ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ لام مفتوحہ کی دو۲ حالتیں ہیں:

۱ کلمہ سوف کے ساتھ جمع ہوتا ہو جیسا کہ مذکورہ دونوں آیتوں اور وَلَسَوْفَ يَرْضٰى میں موجود ہے تو اس صورت میں حالیت کا معنیٰ مضمحل اور معطل ہو جائے گا اور لام محض تاکید کے لئے باقی رہ جائے گا کیونکہ لام کا معنیٰ حال دینے کے لئے ضروری ہے کہ فعل مضارع دونوں زمانوں (حال اور استقبال) کا محتمل ہو اور مذکورہ آیات میں سوف کی وجہ سے استقبال کا معنیٰ متعین ہے۔

۲ لام کی دوسری حالت یہ ہے کہ فعل مضارع کلمہ سین یا سوف سے خالی ہو فقط فعل مضارع پر لام مفتوحہ آرہا ہو تو اس صورت میں معنیٰ حالیت کا فائدہ

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۲۲

دے گا۔ کیونکہ یہاں پر معنیٔ حال کے لئے کوئی مانع نہیں برخلاف صورت اولیٰ کہ اس میں مانع سوف تھا۔ لہٰذا مصنفین کے کلام کا محور حال ثانی ہوتا ہے نہ کہ حال اوّل اور حال مطلق۔ محشّیٔ زنجانی اس کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں: لام ابتدا را دو حال است یکے اینکہ با سوف جمع شود چنانکہ در ہر دو آیت مذکورہ۔ الخ [1]

سوال اہلِ حجاز کے علاوہ علامتِ مضارع یاء کے ماسوا کو کیا حرکت دیتے ہیں؟

جواب جب ماضی کا عین کلمہ مکسور اور مضارع کا عین کلمہ مفتوح یا ماضی کے شروع میں ہمزۂ وصل یا تاء زائدہ ہو تو یاء کے علاوہ تمام حروف مضارع کو کسرہ پڑھتے ہیں؛ جیسے: اَنَا اِعْلَمُ وَاِسْتَخْرِجُ وَاِتَقَبَّلُ وَنَحْنُ نِعْلَمُ وَنِسْتَخْرِجُ وَنِتَقَبَّلُ وَاَنْتَ تِعْلَمُ وغیرہ قبیلہ بنو کلب بھی اسی طرح علامت مضارع کو کسرہ کی حرکت دیتے ہیں بعض کے نزدیک ہر علامت مضارع کو یَوْجَلُ کی طرح فتحہ پر باقی رکھتے ہیں اور واؤ ثقیل کو یاء سے بدل دیتے ہیں جیسے یَیْجَلُ تَیْجَلُ، اَیْجَلُ نِیْجَلُ کہ اصل میں اَوْجَلُ تَوْجَلُ نَوْجَلُ اور بعض واؤ کو الف سے بدل دیتے ہیں: جیسے اَجَلُ۔ تَاجَلُ [2]



---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۲۳

[2] غایۃ البیان ص۱۱ تا ۱۲ مطبوعہ ۱۲۸۶ھ

مضارع مجہول کے نکات

سوال جمہور کے نزدیک مُضارع مجہول میں علامت مضارع کیوں مضموم ہوتی ہے؟

جواب علامہ عبدالحیٔ اس کے دو جوابات تحریر کرتے ہیں:

١ اوّل جواب یہ ہے کہ مجہول چونکہ معروف کی فرع ہے اور ضمہ بھی فتحہ کی فرع جیساکہ ماسبق میں معلوم ہوا۔ لہٰذا فرع کو فرع دے دیا گیا۔

٢ دوسرا جواب یہ ہے کہ ماضی مجہول کا پہلا کلمہ چونکہ مضموم ہوتا ہے اور یہ اصل ہے۔ اور مضارع فرع اس لئے ماضی مجہول اصل کی مناسبت سے ضمہ دیا گیا تاکہ ماضی و مضارع میں مناسبت باقی رہے[1]!

محشیٔ زنجانی کا جواب اس مذکورہ اشکال کا جواب محشیٔ زنجانی یہ دیتے ہیں کہ مضارع معروف و مجہول میں فرق پیدا کرنے کے لئے فعل مضارع مجہول کے شروع کلمہ کو ضمہ دیا تاکہ ابتدا ہی میں معلوم ہوجائے کہ فعل مضارع مجہول ہے معروف نہیں: فَرْقًا بَيْنَ بِنَاءِ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ اِبْتِدَاءً[2]

سوال مضارع مجہول کی صورت میں مضارع کے عین کلمہ کو فتحہ کیوں دیا جاتا ہے؟

جواب تاکہ شروع کا ضمہ عین کلمہ کے فتحہ کے ساتھ معتدل ہوجائے۔

---

[1] تبیان ص٢٧ [2] حاشیۂ زنجانی ص٢٥

اس لئے کہ ماضی کی بہ نسبت حروف اَتَیْنَ کی زیادتی کے باعث فعل مضارع ثقیل ہوجاتاہے۔ لہٰذا اعتدال کا لحاظ ضروری ہے اور بعض صرفیین یہ لکھتے ہیں کہ فِعل مضارع مجہول کا صیغہ یُفْعَلُ حرکات وسکنات میں فُعْلَلُ کی طرح ہے اور فُعْلَلَ کے وزن پر عربی کلمہ شاذو نادر ہی آتاہے تو چونکہ مضارع مجہول غیر معقول وزن سے مناسبت رکھتاہے اس لئے اس کو بھی غیر معقول حرکت دیا تاکہ دونوں میں مطابقت برقرار رہے۔ چنانچہ صاحبِ تبیان علاّمہ عبدالحیٔ لکھتے ہیں: "تا ضمۂ اوّل با فتحہ عین معتدل شود زیراچہ مضارع ثقیل است از ماضی بہ سببِ[1]" الخ

سوال مضارع مجہول بننے کیلئے صرف علامت کا ضمہ کافی کیوں نہیں ہوا۔ ماقبلِ آخر کو فتحہ دینا ضروری کیوں؟

جواب معترض صاحب ہم ابھی ایک جواب سے فارغ نہیں ہو پائے کہ آپ فوراً دوسرا اشکال سامنے کردیتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں چنانچہ اس کے متعلق محشیٔ زنجانی لکھتے ہیں کہ مضارع مجہول کے لئے صرف علامت مضارع کے مضموم ہونے پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ماقبل آخر کا مفتوح ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ملحق برباعی مجرد یُدَحْرِجُ اور ثلاثی مزید یُکْرِمُ وغیرہ سے التباس لازم نہ آئے کیوں کہ یہ صیغۂ معروف ہیں اور علامت مضارع مضموم ہے۔ اس لئے ماقبل آخر فتحہ کی شرط لگادی گئی تاکہ ان مذکورہ بابوں میں شامل ہونے سے بچ جائے: وَلَمْ یَکْتَفِ بِضَمِّ حُرُوْفِ الْمُضَارِعِ بَلْ یُفْتَحُ مَاقَبْلَ الْآخِرِ[2] الخ

سوال مضارع مجہول بنانے کے لئے صرف ماقبل آخر کا مفتوح ہونے پر اکتفاء کیوں نہیں کیا گیا۔ علامت مضارع کا بھی مضموم ہونا ضروری کیوں؟

جواب محشیٔ زنجانی اس کی وجہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا اس لئے

---

[1] تبیان ص۲۷۔

[2] حاشیۂ زنجانی ص۲۵

کیا گیا کہ اگر صرف ماقبلِ آخر کا مفتوح ہونا کافی ہوتا اور علامت مضارع کو ضمہ نہ دیتے تو اس صورت میں باب سَمِعَ یَسْمَعُ، فَتَحَ یَفْتَحُ، تَفْعِیل تَفَاعُل اور تَفَعْلُل کا مجہول کے درمیان التباس لازم آتا۔ لہٰذا مجہول میں ماقبلِ آخر فتحہ ہونے کے ساتھ ساتھ علامت مضارع کو بھی ضمہ دیا گیا۔ وَلَوِاکْتَفٰی بِفَتْحِ مَاقَبْلَ الْآخِرِ لَزِمَ الْاِلْتِبَاسُ فِیْ بَابِ مَنَعَ یَمْنَعُ وَعَلِمَ یَعْلَمُ وَبَابِ التَّفْعِیْلِ وَالتَّفَاعُلِ[1]۔ الخ

سوال مضارع مجہول میں علامت مضارع کو مکسور نہ کر کے ضمہ ہی کیوں دیا جبکہ کسرہ سے بھی فرق حاصل ہو جاتا؟

جواب معترض صاحب بظاہر آپ کی بات موزوں اور بار آور معلوم ہوتی ہے مگر عمیق نظر سے دیکھنے کے بعد آپ کے اشکال کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی کیونکہ کسرہ سے بھی فرق تو حاصل ہو جاتا۔ مگر چونکہ یاء پر کسرہ ثقیل ہوتا ہے اس لئے یاء کو ضمہ ہی دیا گیا۔ اِنَّمَا لَمْ یُکْسَرْ حَرْفُ الْمُضَارَعَةِ مَعَ اَنَّ الْفَرْقَ یَحْصُلُ۔ ایضًا۔ الخ[2]

سوال ماضی اور مضارع میں باہم مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح مضارع مجہول کا ماقبلِ آخر مفتوح ہوتا ہے اسی طرح ماضی مجہول کا بھی ماقبلِ آخر مفتوح ہونا چاہیئے؟

جواب آپ کا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ کثرت حروف کی وجہ سے ماضی کی بہ نسبت مضارع زیادہ ثقیل ہوتا ہے اس لئے کسرہ نہیں دیا ورنہ ثقل میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ اَلْقِیَاسُ مَعَ الْفَارِقِ کَیْفَ وَاَنَّ الْمُضَارِعَ اَثْقَلُ مِنَ الْمَاضِیْ۔ الخ[3]

فعل مضارع معروف کے مفتوح و مضموم ہونے میں ماضی کا چار

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۲۵ [2] حاشیۂ زنجانی ص۲۵ [3] ایضًا

حرفی ہونا اور نہ ہونا ضروری ہے پھر مضارع مجہول میں ایسا کیوں نہیں ؟

جواب یہ ایک واضح قاعدہ ہے کہ جب مضارع کا ماضی چار حرفی ہوں تو علامت مضارع مضموم ہوتی ہے۔ جیسے یُقَاتِلُ۔ یُدَحْرِجُ۔ یُکْرِمُ اس کے علاوہ علامت مضارع مفتوح ہوتی ہے۔ جیسے یَضْرِبُ۔ یَسْمَعُ۔ یَحْرَنْجِمُ یَسْلَنْقِیْ وغیرہ۔ لہٰذا مضارع معروف میں علامت مضارع کا چار حرفی میں مضموم اور باقی میں مفتوح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجہول کی بہ نسبت مضارع معروف اصل ہے۔ اور التباس سے بچانا اصل میں ہوتا ہے یا اس بناء پر کہ یہ ماضی پر محمول ہے کیونکہ ماضی مجہول کے درمیان ضمہ اور فتحہ کی کوئی تفریق نہیں اس لئے مضارع مجہول میں بھی کوئی تفریق نہیں۔[۱]

سوال یہ مسلم قاعدہ ہے کہ مضارع مجہول میں علامتِ مضارع مضموم اور ماقبل آخر مفتوح ہوتا ہے مگر یہ قاعدہ یُحْمَرُّ یُقْشَعَرُّ سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ افعال مجہول ہیں باوجودیکہ ماقبلِ آخر مفتوح نہیں بلکہ ساکن ہے۔؟

جواب قاعدہ ٹوٹا نہیں ہے بلکہ ان افعال کی اصل میں ماقبل آخر مفتوح ہے۔ مثلاً یُحْمَرُّ کی اصل یُحْمَرَرُ، یُقْشَعْرَرُ ہے۔ لہٰذا اصل کا اعتبار کیا جائے گا۔ موجودہ تغیر و تبدل کا لحاظ نہیں![۲]

سوال اَهْرَاقَ یُهْرِیْقُ میں علامت مضارع مضموم کیوں ہے جبکہ قاعدہ کے مُطابق اس کا ماضی چار حرفی نہیں۔؟

جواب اس کی اصل اَرَاقَ یُرِیْقُ اَفْعَال رباعی میں سے ہے اور یہ باب افعال سے ہے اس میں خلاف قیاس کلمۂ ہاء زائد کر دیا گیا جو ظاہری طور پر اشکال کا باعث ہے۔ چنانچہ علامہ ابنِ کمال پاشا و صاحبِ الحنفیہ وغیرہ

---

[۱] دیکھئے حاشیۂ زنجانی ص۲۵

[۲] مفتاح السعدیہ بحوالہ حاشیۂ زنجانی ص۲۵

لکھتے ہیں: "لِاَنَّ اَصْلَہٗ یُرِیْقُ وَھُوَ مِنَ الرُّبَاعِیْ فَزِیْدَتِ الْھَاءُ عَلٰی خِلَافِ الْقِیَاسِ[1] الخ

محشی مراح الارواح کا جواب

اولاً تو اس اشکال کا جواب اس کی اصل نکال کر دیا جو قاعدہ کے مطابق درست ہے۔ مزید اس کے بعد محشی مراح الارواح ایک اور جواب لکھتے ہیں کہ اگر اَھْرَاقَ یُھْرِیْقُ مذکورہ قاعدہ کے خلاف تسلیم کرلیا جائے تو اس صورت میں جواب یہ ہوگا کہ یہ شواذ میں سے ہے اور شاذ کا حکم میں داخل ہونا ضروری نہیں "وَلَوْ سُلِّمَ اَنَّہٗ مِنْ غَیْرِہٖ فَلَا یَبْعُدُ اَنْ یُّقَالَ بِاَنَّہٗ مِنَ الشَّوَاذِ[2] الخ!



---

[1] فلاح ص۱۷، حاشیۂ زنجانی ص۲۳، الحنفیہ ص۸۵، حاشیۂ مراح ص۵۵
مراح وعزی ص۸

[2] حاشیہ مراح الارواح ص۵۵ ہندو پریس دہلی۔

مضارع منفی کے نکات

سوال مضارع منفی کو مضارع مثبت سے موخر کیوں کرتے ہیں؟

جواب اس اشکال کا اوّل جواب راقم الحروف دیتا ہے کہ تقدیم و تاخیر مصنفین کی صواب دید پر ہے۔ کیونکہ منفی کو بھی مقدم کرنے کی صورت میں معترض کو اس کی تقدیم سے متعلق سوال ہوتا۔ لہٰذا یہ صاحب کتاب پر موقوف ہوا کرتا ہے۔ دوسرا جواب علامہ عبدالحیؒ صاحب تبیان یہ دیتے ہیں کہ مثبت اصل ہے اور منفی فرع۔ لہٰذا اصل کو مقدم اور فرع کو موخر کیا۔ زیراچہ منفی فرع مثبت است۔[1]

راقم الحروف کا قول

علامہ عبدالحیؒ کے جواب پر راقم الحروف کہتا ہے کہ حسی اور غیر حسی میں مثبت اور منفی دونوں تقدیم کے لحاظ سے الگ الگ ہیں۔ حسی میں پہلے مثبت ہے اور غیر حسی میں پہلے منفی ہے۔ جیسے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اس مثال میں دیکھئے چونکہ یہ غیر حسی ہے اس لئے منفی کو مقدم اور مثبت کو موخر کیا! ثاقب القاسمی

سوال مضارع منفی بنانے کے لئے مضارع کے شروع میں لا، نفی کا لانا ضروری کیوں ہے؟

جواب معترض صاحب آپ کی بات بالکل بجا ہے۔ مگر آپ کے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لئے کیا جاتا ہے کہ شروع کلمہ سے ہی سامع کو معلوم ہو جائے کہ یہ کلام منفی ہے بصورت دیگر خلجان ہوتا اور افہام و تفہیم میں غلطی

---

[1] تبیان ص ۲۸

کا صدور زیادہ ہوتا۔ اس لئے لانفی کو فعل مضارع پر مقدم کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب تبیان ارقام فرماتے ہیں: "تا از ابتدای کلام سامع آگاہ شود کہ ایں کلام منفی است" [1]

سوال: فعل مضارع منفی جس طرح کلمہ "لا" سے بنتا ہے اسی طرح کلمہ "ما" سے بھی بنتا ہے۔ جیسے فرمان خداوندی مَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً اسی طرح مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ الآیۃ پھر کلمۂ لا، کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

جواب: فعل مضارع منفی کلمہ "ما" سے بھی بنتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیات اس کی غمازی کر رہی ہیں مگر چونکہ فعل مضارع پر کلمہ لا، نفی کا استعمال ما نافیہ کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اس لئے کثرت استعمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہدیا جاتا ہے۔ کلمہ لا، کی تخصیص کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مضارع منفی کلمہ "ما" سے نہیں بنتا۔ راقم الحروف اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ مضارع منفی کے لئے کلمہ "ما" کا استعمال نادر ہے۔ لہٰذا النادر کالمعدوم کے تحت کہدیا گیا۔ [2]

سوال: ابھی آپ نے بتایا کہ فعل مضارع منفی میں تخصیص لا کثرت استعمال کی بناء پر ہے تو شیخ عبدالوہاب بن ابراہیم نے زنجانی نامی کتاب میں کلمہ لا کے ساتھ ساتھ "ما" کو مقدم کیا۔ صاحب زنجانی کو کیا معلوم نہیں تھا؟

جواب: وہ تو ملک عدم جا بسے اس لئے مصنف سے براہ راست اور بلا واسطہ اس کا جواب نہیں مل سکتا تاہم اسکے محشی اپنے حاشیہ میں نوادر الاصول کے حوالہ سے جواب لکھتے ہیں کہ مضارع پر کلمہ "ما" کا دخول اگرچہ لا کی بہ نسبت قلیل ہے مگر کسی شرط سے مشروط نہیں جیسے وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ الآیۃ "وفی النوادر دخول ما بر مضارع نسبت کلمہ لا اگرچہ قلیل است مگر مشروط بکدام شرط نیست" [3] الخ

---

[1] تبیان ص۲۸ ، [2] تبیان ص۲۸ مع اضافہ مولف ۔ [3] دیکھئے حاشیہ زنجانی ص۲۶

سوال ما و لا جو مضارع پر داخل ہوکر معناً عمل کرتے ہیں تو دونوں کے معنیٔ منفی میں کیا فرق ہے؟

جواب علامہ رضی شارح کافیہ و محشی زنجانی لکھتے ہیں کہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ کلمۂ ما حال کی نفی کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کے برخلاف کلمۂ لا مطلق نفی کے لئے آتا ہے یعنی حال و استقبال دونوں کو عام ہے معنیٔ حال جیسے **لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ** اور معنی استقبال جیسے **لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ** اوّل ابنِ مالک نحوی کا مذہب ہے۔ دوسرا امام سیبویہ کا۔

ما مستعمل می شود برائے نفی حال ولا برائے نفی مطلق اعم حال و استقبال۔[1]

سوال صرف کی کتابوں میں قاعدہ مذکور ہے کہ ما و لا (جو ماضی منفی و مضارع منفی پر داخل ہوتے ہیں) دونوں لفظاً عمل نہیں کرتے مگر ہم ایسی مثال پیش کرتے ہیں جہاں کلمہ لا نے لفظاً جزم کا عمل کیا ہے۔ جیسے **جِئْتُهٗ لِئَلَّا يَكُنْ لَهٗ حُجَّةٌ عَلَيَّ**" اس سے معلوم ہوا کہ قاعدہ غلط ہے؟

جواب معترض صاحب آپ نے تو بہت کانٹے کی بات کہی مگر صرف کی کتابوں میں لکھا ہوا قاعدہ غلط نہیں ہے جیسا کہ ظاہری قاعدہ سے آپکو وہم ہوتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمۂ ما اور لا اس وقت لفظاً عمل نہیں کریں گے جبکہ ان کا ماقبل مابعد کے لئے سبب بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور جب ان کا ماقبل مابعد کے لئے سبب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس وقت ما اور لا فعل مضارع پر داخل ہوکر معنیٔ شرط کے متضمن ہونے کی وجہ سے (یعنی اوّل دوسرے کے لئے سبب ہوگا جیسا کہ شرط و جزا میں ہوتا ہے) جزم کا عمل کریں گے چنانچہ آپ نے جس مثال کو لے کر اشکال کیا ہے وہ قسم ثانی سے تعلق رکھتا ہے اس لئے

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص ۲۶ ، شرح رضی جلد ۲ ص ۲۳۲ بیروت۔

کہ اس کا ماقبل مابعد کے لئے سبب ہے۔ لہٰذا آپ کا اشکال کرنا درست نہیں
محشی زنجانی اس تحقیق پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
لَیْسَ عَلَی الاطلَاقِ کَمَا یُوْهَمُ مِنْ ظَاهِرِهٖ
بَلْ هُوَ فِیْمَا لَمْ یَصْلَحْ مَاقَبْلَهٗ لِلسَّبَبِیَّةِ[1] الخ

مضارع مرفوع کے نکات

سوال عامل ناصب و جازم سے خالی ہونے کی صورت میں فعل مضارع مرفوع کیوں ہوتا ہے؟

جواب چونکہ تجرد عوامل مبتدا میں بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا مبتدا کی مناسبت سے فعل مضارع بھی مرفوع ہوگا۔ (مولف)

سوال قاعدہ ہے کہ فعل مضارع عوامل ناصب و جازم سے خالی ہو تو مضارع مرفوع ہوتا ہے تو پھر مُحَمَّدُ تَفِدْ نَفْسَكَ میں تَفِدْ مجزوم کیوں ہے، جبکہ عوامل ناصب و جازم سے خالی ہے۔؟

جواب معترض صاحب جملہ مُحَمَّدُ تَفِدْ نَفْسَكَ كُلُّ نَفْسٍ" میں تفد فعل مضارع عامل ناصب و جازم سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس میں عامل جازم مقدر ہے۔ اصل عبارت "لِتَفِدْ" ہے جو کہ لام امر ہے۔ چنانچہ صاحب حاشیۂ الخضری لکھتے ہیں یُجْزَمُ تَفِدْ مَعَ تَجَرُّدِهٖ لَفْظًا لِاَنَّ جَازِمَهٗ مُقَدَّرٌ اَیْ لِتَفِدْ[2] الخ۔

سوال فعل مضارع کے مرفوع ہونے کی علت فعل مضارع کا تجرد

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۲۶ [2] حاشیۃ الخضری جز۲ ص۱۰۹ بمبئی۔

ناصب وجازم قرار دینا درست نہیں کیونکہ تجرد عدمی ہے اور حرکت رفع وجودی ہے۔ لہذا عدم وجود کی علت کیسے بن سکتا ہے؟

جواب آپ نے یہاں ایک فلسفی بحث کو چھیڑ دیا۔ آپ کی بات بالکل بجا اور درست ہے کہ عدم وجود کی علّت نہیں بن سکتا لیکن ہم تجرد کو عدمی نہیں مانتے بلکہ وجودی ہی مانتے ہیں کیونکہ تجرد کے معنی ہیں فعل مضارع کا اوّل یعنی شروع میں آنا۔ لہذا جب وجودی معنی ہوگیا تو وجود کے لئے وجود کی علت قرار دینا درست ہے۔ لِاَنَّ تَجَرُّدَ الْمَعْنٰی اَلْاِتْیَانُ بِالْمُضَارِعِ عَلٰی اَوَّلِ اَحْوَالِہٖ۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ تجرد کو عدمی تسلیم کر لیا جائے تو یہ عدم مقید ہے اور وجودی کے لئے علت کا ممتنع ہونا وہ عدم مطلق ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ فعل مضارع کے مرفوع ہونے کی علّت تجرد (عوامل ناصب وجازم سے خالی ہونا) یہ علّت موثرہ نہیں ہے بلکہ ایک علامت ہے اور علامت عدم کی شکل میں جائز ہے۔ چنانچہ صاحبِ حَاشِیَۃ الخضری نے علاّمہ رضی الدّین استرآبادی کی تصریحات پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علاّمہ رضی کی یہ تصریح کہ عوامِل نحو موثرات حقیقیہ کے درجہ میں ہیں "، درست نہیں کیونکہ اگر اس سے علت وجود مراد لی جائے گی تو عدم مطلق ہوگا اور یہ باطل ہے: فَلَا یَصِحُّ لِتَصْرِیْحِ الرَّضِی بِاَنَّ عَوَامِلَ النَّحْوِ بِمَنْزِلَۃِ الْمُوَثِّرَاتِ الْحَقِیْقِیَّۃِ۔ الخ۔[1]



[1] حاشیۃ الخضری جزء ۲، صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۰ بمبئی۔

مضارع مرفوع کے عامل رافع میں نحویوں کا اختلاف

سوال فعل مضارع مرفوع کے عامل رافع میں نحویوں کا کیا اختلاف ہے

جواب اس سلسلہ میں شیخ ابن یعیش نحوی صاحب شرح المفصل وملّا جامی نے شرح وبسط سے کلام کیا ہے۔ طوالت کتاب کے خوف سے اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

سیبویہ نحوی کا مسلک امام سیبویہ نحوی کا فعل مضارع مرفوع کے عامل رافع میں مسلک یہ ہے کہ فعل مضارع اسم کی جگہ واقع ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتا ہے۔ خواہ وہ اسم مرفوع یا منصوب یا مجرور کی جگہ واقع ہو جیسے زَيْدٌ يَضْرِبُ اَیْ ضَارِبٌ وَرَأَيْتُ رَجُلاً يَضْرِبُ مَرَرْتُ یہاں تینوں احوال میں فعل مضارع مرفوع کیونکہ موقع اسم میں واقع ہے[1]۔

فراء نحوی کا مسلک محشی فوائد ضیائیہ لکھتے ہیں: فراء نحوی کا مسلک یہ ہے کہ مطلقاً عوامل لفظی سے فعل مضارع خالی ہونا یہ مضارع مرفوع کی علت ہے خواہ وہ اس کا عامل ہو[2]۔

امام کسائی نحوی کا مسلک اس سلسلہ میں امام کسائی نحوی کا مسلک یہ ہے کہ مضارع مرفوع میں عامل

---

[1] شرح المفصل جزء ۷ صہ ۱۲ شرح رضی جلد ۲، صہ ۲۳۱ حاشیہ فوائد ضیائیہ صہ ۲۹۵ دہلی

[2] حاشیہ فوائد ضیائیہ شرح المفصل جزء ۷، صہ ۱۲

رافع حروف مضارع ہیں جوکہ شروع میں آتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ علامت مضارع سے پہلے وہ فعل مبنی تھا۔ لہٰذا ان حروف مضارع کی وجہ سے وہ مرفوع ہوا اس لئے عامل رافع علامت مضارع کو قرار دیا گیا۔[۱]

ثعلب نحوی کا وھم

ابن یعیش نحوی کہتے ہیں کہ یحییٰ بن ثعلب نحوی کو مسلک سیبویہ کے بارے میں وھم ہوا ہے کہ اس کے نزدیک فعل مضارع مرفوع کا عامل رافع مشابہت اسم ہے اس توھم پر صاحب شرح المفصل نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ثعلب نحوی نے اس کے مسلک کی حقیقت کو نہیں پہچانا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مضارع کا اعراب علامت مضارع کی وجہ سے ہے اور مرفوع مواقع اسم میں واقع ہونے کی وجہ سے۔[۲]

فراء نحوی کی تردید

فراء نحوی کا یہ مسلک کہ عوامل ناصب و جازم سے فعل مضارع کا خالی ہونا مضارع مرفوع کی علت ہے یہ دو وجوہ سے غلط اور ضعیف ہے:

وجہ اوّل یہ ہے کہ یہ عدم محض کی تعلیل ہے جوکہ فاسد ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا یہ نظریہ فعل مضارع کی اول حالت النصب اور جزم ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔[۳]

سوال فعل مضارع موقع اسم میں واقع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے تو منصوب و مجرور میں بھی کیوں مرفوع ہوتا ہے فعل کا اعراب اسم کے ساتھ کیوں نہیں بدلتا

جواب اسم کے اعراب کی تبدیلی اختلاف عوامل اسم سے ہوتی ہے اور عوامل اسم فعل کے لئے موثر و کارآمد نہیں اس لئے فعل کا اعراب اسم کے بدلنے سے نہیں بدلتا۔[۴]

۱۔ دیکھئے شرح رضی جلد ۲ ص ۲۳۱، شرح المفصل جزء ۷ ص ۱۲ بیروت۔ فوائد ضیائیہ ص ۲۹۵ دہلی

۲۔ شرح المفصل جزء ۷ ص ۱۲ ۳۔ ۴۔ ایضاً

مضارع منصوب کے نکات

سوال صرفیین عموماً بحث لا نفی کو مقدم اور نفی تاکید بلن کو مؤخر کرتے ہیں ایسا کیوں؟

جواب ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ لا نفی فعل مضارع میں لفظاً کوئی عمل نہیں کرتا اور حرف لَن سے فعل مضارع میں تبدیلی آتی ہے اور جو تغیر و تبدل نہ کرے بلکہ اپنی حالت پر استقرار و برقرار رہے وہ اشرف ہے اور اشرف لائق تقدیم ہے[1]

لَن کی اصل میں نحویین کے مذاہب:

سوال حرف لن ناصبہ اپنی اصل پر ہے یا اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے اگر ہوئی ہے تو مفصل مع مذاہب بتائیں۔؟

جواب حرف لَن کی اصل کے متعلق امام رازی و علامہ جار اللہ زمخشری تفسیر کشاف اور شیخ ابو حیّان اندلسی نے تفسیر البحر المحیط میں اور علامہ ابن منظور و علامہ زبیدی نے تفصیلی و تحقیقی کلام کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے:

امام سیبویہ کا مذہب: سیبویہ نحوی کے نزدیک حرف لن اپنی اصل پر حرف بسیط ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اَلْاَصْلُ فِی الْحُرُوْفِ عَدَمُ التَّصَرُّفِ یعنی حروف میں تصرف و تغیر کا نہ ہونا اصل ہے[2]

---

[1] تبیان ص۲۸ [2] تاج العروس ۵۱۵/۱۸ تبیان ۲۸ حاشیہ زنجانی ۲۸

خلیل وامام کسائیؒ کا مسلک

سیبویہ نحوی کے استاذ فنِ عروض کے موجد خلیل بن احمد فراہیدی بصری کتاب العین اور امام کسائی نحوی کا مسلک یہ ہے کہ کلمہ لَنْ اصل "لَا اَنْ" ہے ان کے ہمزہ کو کثرت استعمال کی بنا، پر بنظرِ تخفیف حذف کردیا۔ چنانچہ لَاَ کے الف اور اَنْ کے نون میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے لَاَ کے الف کو حذف کردیا۔ پھر لام اور نون کو باہم ملادیا لَنْ ہوگیا اور مستدل میں شاعر کا یہ قول پیش کرتے ہیں:

یَرْجِی الْمَرْءُ مَالَا اَنْ یُلَاقِیْ
وَتَعْرِضُ دُوْنَ اَقْرَبِہٖ الْخُطُوْبُ یعنی لَنْ یُلَاقِیْ[1]

مسلکِ خلیل کی تردید

امام سیبویہ اپنے استاذ خلیل نحوی وکسائی کے مذکورہ مسلک مع الدلیل کی تردید ان الفاظ میں کرتے ہیں اِنَّ ھٰذَا لَیْسَ بِجَیِّدٍ یعنی امام خلیل وکسائی نحوی کا موقف زوردار نہیں ہے کیونکہ کلمہ لن کے معمول کا اپنے عامل پر مقدم ہونا جائز ہے۔ جیسے زَیْدًا لَنْ یَضْرِبَ بخلاف معمولِ اَنْ کہ اس کا مقدم ہونا جائز نہیں جیسے: زَیْدًا یُعْجِبُنِیْ اَنْ یَضْرِبَ کہنا درست نہیں لہٰذا جب لن کو ان کی حیز میں اتاریں گے تو جس طرح ان کے معمول کا مقدم ہونا جائز نہیں اسی طرح یہ لازم آئے گا کہ لن کے مقدم ہونا جائز نہیں جیسے زیدًا لَنْ یَضْرِبَ حالانکہ یہ تمام بصریین اور سیبویہ کے نزدیک جائز ہے۔[2]

---

[1] شرح رضی جلد ۲ ص ۲۳۵ تبیان ص ۲۸، تفسیر ابی السعود جزء ۱ ص ۶۷، التفسیر الکبیر جزء ۲، ص ۱۲۱، طہران۔ البحر المحیط جزء ۱، ص ۲۴۳، الکشاف جلد ۱، ص ۵۰ حاشیۂ زنجانی ص ۲۸، لسان العرب جلد ۱۲ ص ۳۳۷

[2] لسان العرب جلد ۱۲ ص ۳۳۷ تبیان ص ۲۹ حاشیہ زنجانی ص ۲۸ شرح رضی جلد ۲، ص ۲۳۵

سیبویہ کو خاموش کرنے کی خلیل کی کوشش

مذکورہ اشکال کا جواب دینے کے لئے سیبویہ کے استاذ خلیل نحوی نے ایک کمزور کوشش یہ کی ہے کہ کلمہ اپنے تقاضہ کے تحت ترکیب کے دوران تغیر و تبدل کو چاہتا ہے۔ چنانچہ ترکیب کی صورت میں معانی حروف و دیگر احکام بدل جاتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کلمہ شرط "لَوْ" جب حرف "مَا" سے مرکب ہوتا ہے تو حروف تحضض لَوْمَا کا معنی پیدا کرتا ہے اسی طرح لَنْ کی اصل لَا اَنْ میں ہے۔[1]

فراء نحوی کا مذہب

اس سلسلہ میں امام فراء نحوی کہتے ہیں کہ حرف لَنْ نَاصِبَہ کی اصل "لَا" ہے الف کو نون سے بدل دیا لَنْ ہو گیا۔[2]

فراء مسلک پر علامہ رضی کی تردید

فراء نحوی کے مسلک کی تردید علامہ رضی الدین استرآبادی ان الفاظ میں کرتے ہیں لَا دَلِیْلَ عَلٰی قَوْلِ الْفَرَّاءِ یعنی فراء نحوی کی بات پر کوئی دلیل نہیں محشی زنجانی بھی لکھتے ہیں کہ فراء نحوی کا مسلک مخدوش ہے اور اس کی وجہ یہ تحریر کرتے ہیں کہ نون کا الف سے بدلنا شائع اور عام ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول لَنَسْفَعًا وَلِیَکُوْنًا مگر اس کے برعکس الف کا نون سے بدلنا درست نہیں۔ "الف را نون بدل کردند ایں قول مخدوش است"[3]

بعض حضرات کا مذہب

بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ لَنْ کی اصل "لَا" ہے۔ آخر میں نون خفیفہ نفی تاکید کے لئے لاحق کر دیا پھر الف اور نون میں التقاء ساکنین کی بناء پر الف

---

[1] لسان العرب جلد ۱۲ ص ۳۳۷، تبیان ص ۲۹، شرح رضی ۲ ص ۲۳۵ بتغیر حاشیۂ زنجانی ص ۲۸

[2] تفسیر ابی السعود جزء ۱ ص ۶۷ التفسیر الکبیر جزء ۲، ص ۱۲۱ البحر المحیط جلد ۱ ص ۲۴۳، الکشاف ۱ ص ۵۰ لسان العرب جلد ۱۲ ص ۳۳۸، تاج العروس جلد ۱۸ ص ۵۱۵ [3] حاشیۂ زنجانی ص ۲۸، شرح رضی جلد ۲ ص ۲۳۵

گر گیا لَـنْ باقی رہ گیا مگر علامہ عبدالحئی اس مذہب کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ آخر حروف میں نون تاکید کا لاحق معہود نہیں ہے۔[1]

راجح مسلک

سوال لَنْ کے متعلق مذکورہ مختلف فیہ اقوال میں سے کن کا مسلک راجح ہے؟

جواب علامہ مرتضیٰ زبیدی تاج العروس میں مذکورہ مذاہب بیان کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں کہ امام سیبویہ نحوی کا مسلک زیادہ صحیح اور راجح ہے۔ علامہ جاربردی بھی اسی کے قائل ہیں اسی طرح مفسر ابوحیان اندلسی تمام مسلکوں کی تردید امام سیبویہ کے موقف کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں: لَـنْ حَرْفُ ثُنَائِیُ الْوَضْعِ بَسِیْطٌ لَا مُرَکَّبٌ صاحبِ زنجانی کے محشی بھی قول سیبویہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں وَهُوَ الصَّحِیْحُ۔ علامہ عبدالحئی سیبویہ مسلک بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "وصفی بن نصیر ہمیں را صحیح گفتہ" یعنی وصفی بن نصیر نے بھی مذہب سیبویہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ مذکورہ اقوال سیبویہ نحوی کے مسلک کی ترجیح وتائید کے لئے کافی ہیں۔[2]

حرف لَن مضارع کو جزم بھی دیتا ہے۔

سوال حرف لن نصب کے علاوہ جزم کا عمل کرتا ہے یا نہیں اگر کرتا ہے تو صرف کتابوں میں مجزوم کے متعلق تذکرہ کیوں نہیں؟

---

[1] تبیان ص ۲۹ [2] البحر المحیط جلد ۱ ص ۲۴۳، تاج العروس جلد ۱۸ ص ۵۱۵ بیروت
حاشیۂ زنجانی ص ۲۸، تبیان ص ۲۸

جواب حرف لن ناصبہ کبھی کبھی فعل مضارع کو جزم بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ابوحیان اندلسی اس سلسلہ میں سلیمان بن محمد مالقی معروف ابن الطراوہ کا یہ شعر پیش کرتے ہیں: ؎ لَنْ يَخِبِ الْآنَ مِنْ رَجَائِكَ مَنْ ❊ حَرَّكَ دُوْنَ بَابِكَ الْحَلْقَهْ۔

اسی طرح صاحب تاج العروس لن کے مضارع مجزوم ہونے پر یہ شعر پیش کرتے ہیں:

أَيَا دِيْ سَبَايَا عَزَّمَا كُنْتُ بَعْدَكُمْ ❊ فَلَنْ يَحْلُ لِلْعَيْنَيْنِ بَعْدَكِ مَنْظَرُ

ضرورت شعری اور نادر ہونے کی بناء پر صرفیین نے اس کو ضابطہ میں شامل نہیں کیا اس لئے کتب صرف میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا[1]

سوال لن ناصبہ کے بارے میں فراء نحوی کا کیا نظریہ ہے۔؟

جواب فراء نحوی حرف لَنْ کا فعل مضارع میں لفظاً ومعناً دونوں طرح عمل کرنے کے منکر ہیں وہ نہ تو مضارع ناصب میں سے مانتے ہیں اور نہ ہی فعل مضارع کے معنی زمانہ مستقبل کے قائل ہیں۔ چنانچہ علامہ زبیدی وصاحب لسان العرب تحریر کرتے ہیں:

وَجَحَدُوْا بِهَا الْمُسْتَقْبَلَ مِنَ الْأَفْعَالِ وَنَصَبُوْهُ بِهَا[2] ❊



---

[1] البحر المحیط ۱/۲۴۳، تاج العروس ۱۸/۵۱۶ بیروت

[2] لسان العرب ۱۲/۳۳۸، تاج العروس ۱۸/۵۱۵ بیروت

حرفِ لَن کے معانی

سوال حرف لَن کے کتنے معانی آتے ہیں ؟

جواب حرف لن کے کئی معانی آتے ہیں جس میں مشہور معنی یہ ہے کہ لن مستقبل کی تاکید نفی کے لئے آتا ہے جیساکہ علامہ جار اللہ زمخشری لکھتے ہیں کہ لن نفی موکد و مشدد کے لئے آتا ہے ۔ اسی کا دوسرا قول یہ بھی ہے کہ لن تابید نفی (ہمیشہ) کیلئے آتا ہے ۔ چنانچہ زمخشری نے انموذج میں اس کی خوب خوب تصریح کی ۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ حرفِ لَن ظنیات (گمان کی گئی بات) کی نفی کے لئے آتا ہے ۔ اسی طرح لن دُعا کے لئے بھی آتا ہے ۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول :

رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ؞

کبھی لن کے ساتھ جملہ قسم بھی آتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و منقبت میں ابو طالب کا یہ شعر ؎

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ ؞ حَتّٰى اُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا ؞

خدا کی قسم لوگ آپ کا بال بیکا نہیں کر پائیں گے تا آنکہ میں مٹی میں دفن ہو جاؤں ۔
ابنِ مالک کہتے ہیں کہ لن تاکید نفی کے لئے آتا ہے ۔ اس کے برخلاف ابن عطیہ کی رائے زمخشری کے مطابق ہے[1]

---

[1] الاتقان ۱/۴۶۸، الکشاف ۱/۵۰، تاج العروس ۱۸/۵۱۵ حاشیۂ زنجانی ص۲۸
تبیان ص۲۹-۳۰، البحر المحیط ۱/ ۲۴۳۔

حرفِ لَن کا ثمرہ اختلاف

علامہ جاراللہ زمخشری حرف لن کے معنی تابید نفی کی بناء پر آخرت میں بھی رویت خداوندی کے قائل نہیں اور استشہاد میں آیت "لَنْ تَرَانِیْ" اور وَلَنْ یَخْلُقُوْا ذُبَابًا فرمایا کو پیش کرتے ہیں اور اپنے مسلک معتزلی کی تائید کرتے ہیں لیکن اس عقدۂ باطلہ کی تردید اور مذکورہ آیت کی صحیح تاویل کرتے ہوئے ابن مالک وغیرہ کہتے ہیں کہ زمخشری کو ایسا کہنے پر اس بات نے آمادہ کیا کہ وہ "لَنْ تَرَانِیْ" کے پیش نظر خدا کا دیدار ناممکن ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا۔ علامہ زبیدی زمخشری کے مسلک کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمخشری کا دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ اگر لَنْ تابیدِ نفی کا فائدہ دیا کرتا تو لَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا میں لَنْ کا منفی الیوم کی قید سے مقید نہ کیا جاتا اور لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى میں وقت کی قید لگانا صحیح نہ ہوتا اور لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا میں لَنْ کے ساتھ اَبَدًا کا ذکر بے وجہ تکرار ہوتا جو کہ نہ ہونا چاہیئے۔ مزید ابن مالک قولہ تعالیٰ لَنْ تَرَانِیْ کے معانی میں بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم نفی تابید کے قائل رہیں تو یہ بات سامنے آئیگی کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی دیدار خدا سے مشرف ہی نہ ہوں گے حتّٰی کہ آخرت میں بھی ان کو دیدار الٰہی حاصل نہ ہوگا جبکہ متواتر احادیث میں یہ بات پایۂ نبوّت کو پہنچی ہوئی ہے کہ اہل جنّت خداوند کریم کے دیدار سے مشرف ہوں گے ۔ ابن زملکانی زمخشری کے نظریہ کے بالکل خلاف یہ لکھتے ہیں کہ لن اس شئی کی نفی کے لئے آتا ہے جو قریب ہو اور عدم امتداد نفی کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی واسطے اس کے ساتھ نفی کا امتداد نہیں ہوتا جس کا راز یہ ہے کہ الفاظ معنوں کے ہم شکل ہوا کرتے ہیں۔ اسی واسطے "لا" جس کے آخر میں الف ہے اس میں امتدادِ نفی کے معنی ہیں کیونکہ الف کے ساتھ درازی صوت ممکن ہے مگر لن کے آخر میں نون ہے جس کی بناء پر امتداد صوت ممکن نہیں۔ لہٰذا ہر ایک لفظ اپنے معنیٰ کے مطابق ہوگا۔ اسی واسطے خداوند کریم نے

یہاں مطلقاً نفی کا ارادہ نہیں کیا وہاں لن کو وارد کیا ہے کہ اس سے محض ایک شئی کی دُنیا میں نفی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لَنْ تَرَانِیْ ارشاد فرمایا کہ تم دنیا میں مجھے ہر جگہ نہ دیکھ سکوگے۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ یہاں علی الاطلاق ادراک (معلوم کرسکنے) کی نفی کردی گئی ہے اور ادراک رویت کے مغائر ہے یعنی معلوم کرنا امرِ دیگر ہے اور آنکھ سے دیکھنا دوسری چیز ہے۔ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں کہ لن تابید نفی کا تقاضا نہیں کرتا۔ اور لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا کا جواب یہ ہے کہ اس میں نفی تابید بیرونی حالات اور گرد و پیش کے قرائن کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔[1]

سوال حرف لن مضارع کو نصب کردیتا ہے اسکی علت اور وجہ کیا ہے؟

جواب اس کے متعلق علامہ زبیدی خلیل نحوی کی مرویات لکھتے ہیں کہ:
اَنَّمَا نُصِبَتْ كَمَا نُصِبَتْ اَنْ یعنی جس طرح ان ناصبہ نصب دیتا ہے اسی طرح لن بھی نصب دیتا ہے لن کے ذریعہ مضارع منصوب کی تفصیلی علت صاحب تبیان یہ لکھتے ہیں کہ مضارع کے حروف ناصبہ میں ان بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ اصل ہے اور کلمہ لن حروف وحرکات، سکنات اور معنی مستقبل میں ان کے مشابہ ہے لہٰذا اس کا مشابہ کو بھی نصب دے گا۔[2]

سوال لَنْ کی علّت نصب کو اَنْ پر ٹال دیا تو یہ بتائیے کہ حرفِ اَنْ کیوں نصب دیتا ہے؟

جواب آپ کا اعتراض درست ہے جس کا جواب یہ ہے کہ حرف اَنْ مخففہ اَنَّ کے حرف مشبہ بالفعل ناصبِ اسم سے لفظاً ومعناً دونوں طرح مشابہت

---

[1] الاتقان ۱/۴۶۸ تا ۴۶۹، التفسیر الکبیر جز ۲/۱۲۱، البحر المحیط ۱/۲۴۳ حاشیہ زنجانی ص ۲۸ الکشاف ۱/۵۰، تاج العروس ۱۸/۵۱۵ تا ۵۱۶۔

[2] تاج العروس ۱۸/۵۱۵، تبیان ص ۲۹۔

رکھتا ہے لفظاً تو ظاہر ہے معنوی مشابہت یہ ہے کہ حرف ان مخففہ اور ان مشددہ دونوں کا مدخول بتاویل مصدر ہوتا ہے۔[1]

سوال کلمہ لن ناصبہ فعل مضارع کے شروع میں آتا ہے آخر میں کیوں نہیں؟

جواب علامہ عبدالحیٔ لکھتے ہیں کہ حرف لن کو فعل مضارع کے شروع میں اس لئے لایا جاتا ہے کہ سامع کو متکلم کے ابتداءِ تکلم سے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ نفی تاکید بلن ہے۔ اگر آخر میں لایا جاتا تو اوّل وہلہ میں سامع کچھ اور سمجھتا پھر لن پر نظر پڑتے ہی دوسری بات سمجھتا اس صورت میں خلل ہوتا اس لئے دفع خلل کی خاطر ایسا کیا گیا۔ "تا وقت ابتدا تکلم متکلم سامع آگاہ شود"[2]

سوال صرفیین کا قاعدہ ہے کہ لن ناصبہ ضمہ کو فتحہ سے بدل دیتا ہے۔ مگر معتل الفی یَرْضٰی وَیَخْشٰی میں ایسا کیوں نہیں ہوتا؟

جواب معترض صاحب آپ سرسری طور پر کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ فتحہ سے مراد عام فتحہ ہے خواہ وہ فتحہ لفظی ہو یا تقدیری۔ لہٰذا اس میں اگرچہ فتحہ لفظی نہیں مگر فتحہ تقدیری تو موجود ہے اور آپ جانتے ہیں کہ مضارع کے اعراب کی مختلف قسمیں ہیں اس لئے اپ جھمیلے میں پڑنے کی ضرورت نہیں تفصیل کے لئے کتب نحو ملاحظہ فرمائیں! ثاقب القاسمی بھاگلپوری۔

سوال حرف لن نون اعرابی کو کیوں ساقط کر دیتا ہے اس کی دشمنی کو واضح کریں؟

جواب معترض صاحب آپ تو بال کی کھال نکالنے میں لگ گئے خیر جواب سنئے۔ آپ غالباً جانتے ہوں گے کہ نون اعرابی اعراب رفع کے بدلہ میں ہوتا ہے اور لن چونکہ حرکت رفع کو ساقط کر کے نصب دے دیتا ہے تو نون اعرابی عوض

---

[1] تبیان ص ۲۹ [2] تبیان ص ۲۹

رفع کو بدرجۂ اولیٰ پہلی فرصت میں ساقط کردے گا ان کی حکومت میں جب اصل رفع کا کوئی ٹھکانا نہیں تو عوض رفع نائب کا ٹھکانا کہاں سے ہوگا![1]

مضارع مجزوم کے نکات

سوال مضارع جازم میں سے حرف لم ہے اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے یا نہیں؟

جواب امام فراء نحوی تبدیلی کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ لم کی اصل لا ہے الف کو میم سے بدل دیا۔ قَالَ الْفَرَّاءُ اَلْاَصْلُ فِیْ لَمْ لَا وَاَبْدَلُوْا مِنَ الْاَلِفِ لَا مِیْمًا راقم الحروف کہتا ہے کہ فراء نحوی کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ رضی الدین استرآبادی نے بھی لَنْ نَاصِبَہ کی بحث میں لَا دَلِیْلَ عَلٰی قَوْلِ الْفَرَّاءِ" سے تنقید کی ہے۔[2]

سوال لم کا دخول فعل ہی کے ساتھ خاص کیوں ہے؟

جواب اس لئے کہ حرف لم کا عمل فعل مضارع کے زمانہ مستقبل کو زمانہ ماضی سے بدلنا ہے اور زمانہ فعل کے علاوہ کسی میں نہیں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا لامحالہ حرف لم فعل کے ساتھ مختص ہوگا۔" زیراچہ عمل تبدیل زمانہ استقبال است۔

سوال کلمہ لم فعل ماضی پر کیوں نہیں آتا فعل مضارع کے ساتھ مختص ہونے کی کیا وجہ ہے نیز جزم فعل کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب ابھی بتایا گیا کہ لم کا عمل زمانہ مستقبل کو زمانہ ماضی سے بدلنا ہے تو جب فعل ماضی پر داخل ہو جائے گا تو اس صورت میں حرف لم بے چارہ داخل ہوکر کیا کرے گا سوائے یہ کہ معطل اور بے کار رہے گا اور جزم فعل کا خاصہ ہونے کی وجہ

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۲۷ [2] لسان العرب ۵۳۸/۱۲، شرح رضی ۲۳۵/۲ بیروت

محشیٔ زنجانی تحریر کرتے ہیں کہ جس طرح کسرہ اسم کے ساتھ خاص ہے اسی طرح جزم بھی فعل مضارع کے ساتھ خاص ہے کیونکہ مضارع میں حروف اتین کی زیادتی کے باعث ثقل پیدا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس میں خفت لانے کے لئے جزم (سکون) کو متعین کیا تاکہ ثقالت میں کچھ کمی ہوجائے۔ "جزم مخصوص است بفعل مضارع چنانچہ کسرہ باسم"[1]

سوال کلمہ لم جازم فعل مضارع کے آخر میں کیوں نہیں آتا ہے؟

جواب اس لئے کہ شروع میں لانے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ متکلم کے شروع تکلم سے سامع کو یہ معلوم ہوجائے کہ یہ نفی جحد بلم ہے اور یہ فائدہ مضارع کے آخر میں لانے سے فوت ہوجاتا ہے۔ "تا سامع بروقت بدو تکلم بفہمد" الخ[2]

سوال حروف جازم فعل مضارع میں اگر عمل نہ کریں تو کیا حرج ہے؟

جواب اس کا جواب علامہ سعدالدین تفتازانی شرح زنجانی میں ارقام فرماتے ہیں کہ حروف جازمہ فعل مضارع پر داخل ہوکر لفظاً اور معناً عمل کرتے ہیں کیونکہ اگر عمل نہیں کریں گے تو عامل کا لغو ہونا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں[3]!

سوال حرف لم فعل مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کیوں کر دیتا ہے؟

جواب لم جازمہ اِن شرطیہ (جو کہ حروف جازمہ میں اصل ہے) کے مشابہ ہے۔ کیونکہ دونوں عامل جازم ہیں۔ لہٰذا جس طرح کلمۂ اِنْ جازمہ ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اسی طرح حَمْلاً لِلضِّدِّ عَلَی الضِّدِّ لَمْ جازمہ مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے[4]۔

سوال لم کی بحث کو "نفی جحد بلم" سے کیوں تعبیر کرتے ہیں۔؟

جواب جحد بفتح اوّل و سکون حاء کے معنی جانتے ہوئے انکار کرنے کے

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۲۷، تبیان ص۳۱ [2] تبیان ص۳۱

[3] بحوالہ حاشیہ زنجانی ص۲۷ [4] تبیان ص۳۲، حاشیۂ زنجانی ص۲۷

آتے ہیں اور کبھی مطلق انکار کے لئے بھی بولا جاتا ہے چونکہ ماضی محقق الوقوع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے معنی جانتے ہوئے انکار کرنے کے ہیں۔ چنانچہ علامہ جوہری اور شیخ سعید الشرتونی وغیرہ لکھتے ہیں: اَلْجَحْدُ بِالْفَتْحِ الْاِنْکَارُ مَعَ الْعِلْمِ۔[۱]

سوال نفی اور جحد میں کیا فرق ہے؟

جواب شیخ محمد اعلیٰ ابوجعفر النحاس نحوی اور ابن السحری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نافی (منع کرنے والا) اگر صادق ہے تو اس کے کلام کو نفی و منفی کہا جائے گا اور اگر کاذب ہے تو جحد نیز نفی کہا جائے گا۔ لہٰذا ہر جحد نفی لیکن ہر نفی جحد نہیں ہوگی مثال مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ: نَفْیُ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اٰیَاتِ مُوْسٰی[۲]

سوال جحد کا تلفظ کیا ہے؟

جواب اس کا صحیح تلفظ بفتح الاول وسکون الثانی ہے کیونکہ بفتحتین اور بالضم کی صورت میں اس کے معنی قلت خیر تگندست کے آتے ہیں جو علم صرف کے باب میں مقصود نہیں۔ جحد کی ادائیگی پر علامہ عبدالحیٔ لکھتے ہیں کہ شارح صرف میر علامہ نور محمد نے شیخ علی برجندی سے جحد بفتحتین کا جو تلفظ نقل کیا ہے وہ اکثر مستند و معتبر کتب لغت کے خلاف ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ صحیح قول یہی ہے کہ جحد بفتحتین جو عام لوگوں کی زبان زد ہے وہ غلط رائج ہے کیونکہ اس کے معنی انکار کرنے کے نہیں آتے البتہ لفظ جحد بفتح الاول وسکون الثانی جس کا اصلی معنی انکار مع العلم ہے وہ بھی بسا اوقات قلّت خیر کے معنی میں مستعمل ہو جاتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ؎

لَئِنْ بَعَثْتَ اُمُّ الْحُمَیْدَیْنِ مَائِرًا
لَقَدْ غَنِیْتَ فِیْ غَیْرِ بُؤْسٍ وَلَاجَحْدٍ[۳]

---

[۱] الصحاح ۲/۴۵۱، اقرب الموارد ۱/۱۰۳ بیروت، لسان العرب ۲/۱۸۲، تاج العروس ۴/۳۷۶ تبیان ص۳۰ [۲] کشاف اصطلاحات الفنون ۲/۱۴۳۷ لاہور

[۳] تاج العروس ۴/۳۷۶، الصحاح ۲/۴۵۱، لسان العرب ۲/۱۸۲۔ بیروت، تبیان ص۳۰

لم کے متعلق لغویین کی آراء

سوال حروف لم جازمہ کے متعلق لغویین کی کیا آراء ہیں؟

جواب امام جوہری صاحب الصحاح لکھتے ہیں کہ حرف لم ماضی منفی کیلئے ہے اس کے بعد سیبویہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ کلمہ لم فعل ماضی کی نفی کے لئے آتا ہے علامہ ابن منظور ابن سیدہ لغوی کے حوالے سے ارقام فرماتے ہیں کہ لم مخفف حرف جازم ہے جو ماضی کی نفی کے لئے آتا ہے جیسے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ الآیۃ اس کے بعد مزید شیخ ابو اللیث کا قول نقل کرتے ہیں کہ حرف لم فعل ماضی پر بطور عزیمت مستعمل تھا لیکن جب اس کے ساتھ فعل مضارع شامل کیا گیا تو وہ جازم ہوگیا۔ جیسے لَمْ يَخْرُجْ زَيْدٌ لَا خَرَجَ زَيْدٌ کے معنی میں تھا مگر اس کلام کو برا سمجھے جانے کی بناء پر فعل ماضی کو مضارع کے وزن پر محمول کر لیا۔ خلیل نحوی نے بھی اس کو اپنی کتاب کتاب العین میں لکھا ہے علامہ راغب اصفہانی تحریر کرتے ہیں کہ حرف لم جازمہ نفی ماضی کے لئے ہے اس پر کبھی ہمزہ استفہام اثبات کا داخل ہوتا ہے جیسے قول خداوندی ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ علامہ زبیدی نے علامہ جوہری کی رائے کو پسند کرتے ہوئے اپنی کتاب تاج العروس میں الصحاح کے مذکورہ مضامین کو ضبط تحریر کیا ہے[1]!

سوال صاحب الصحاح وتاج العروس نے حروف جازمہ کتنے اور کون کون سے شمار کرائے ہیں؟

جواب علامہ جوہری اور علامہ زبیدی نے حروف جازمہ چار شمار کرائے ہیں وہ یہ ہیں: لَمْ لَمَّا اَلَمْ اَلَمَّا![2]

---

[1] کتاب العین ۸/۳۲۱، الصحاح ۵/۲۰۳۳، لسان العرب ۱۲/۳۳۵، التاج ۱۸/۶۵۹، مفردات القرآن، [2] تاج العروس ۱۲/۶۵۹، الصحاح ۵/۲۰۳۳۔

لم جازمہ مضارع کو رفع بھی دیتا ہے

سوال کیا حرف لم صرف مضارع کو جزم دیتا ہے یا رفع بھی؟

جواب اس کے متعلق علامہ ابن ہشام نحوی صاحب مغنی اللبیب ارقام فرماتے ہیں کہ حرف لم کے بعد مضارع مرفوع ہوتا ہے اور مستدل میں شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں ؎ لَوْلَا فَوَارِسُ مِنْ ذُهْلٍ وَاُسْرَتِهِمْ
یَوْمَ الصُّلَیْفَا لَمْ یُوْفُوْنَ بِالْجَارِ

لیکن محشیٔ زنجانی نوادر الاصول کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے مذکورہ شعر میں مرفوع کو ضرورت شعری پر محمول کیا ہے اور ابن مالک کہتے ہیں کہ مذکورہ رفع ایک لغت ہے جو نثر اور نظم میں برابر پائی جاتی ہے[1]۔

لم مضارع کو نصب بھی دیتا ہے

محشیٔ زنجانی لحیان کا قول نقل کرتے ہیں کہ بعض اہل عرب لم جازمہ کو عامل ناصب بھی کہتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے ایک قرأت میں فرمان خداوندی اَلَمْ نَشْرَحَ بفتح الحاء ہے "لحیانی گوید بعضے از عربان لم را ناصب نیز گفتہ اند" الخ[2]

لمّا کی تحقیق

سوال حروف جازم میں سے ایک حرف "لما" ہے اس کے متعلق مفصل گفتگو فرمائیں؟

جواب فن عروض کے موجد علامہ خلیل نحوی اپنی تصنیف لطیف میں رقمطراز ہیں کہ حرف لمّا لم اور ما کا مجموعہ ہے جو کہ ایک وزن پر کرلیا گیا اور یہ اِلّا کے

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۲۷

[2] نوادر الاصول بحوالہ زنجانی ص۲۷ الاتقان ۱/۲۶۷

معنی بھی آتا ہے جیسے اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ (طارق ۴) مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "لمّا" میں الف اصل ہے اور میم عین کلمہ کی جگہ فعل کے وزن پر ہے۔[1]

لمّا کے معانی

شیخ زبیدی التہذیب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ لمّا میم مشدد کے ساتھ بغیر تنوین کے کلام عرب میں کئی معانی کے لئے مستعمل ہے: (۱) حِیْنَ کے معنی میں جبکہ حرف لمّا شروع میں لایا گیا ہو یا حرف واوٗ یا فا کے ذریعہ معطوف ہو یا کسی فعل کا جواب واقع ہو رہا ہو جیسے لَمَّا جَاءَ الْقَوْمُ اَیْ حِیْنَ جَاءُوْا اور اللہ تعالیٰ کا قول وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْیَنَ (قصص ۲۳) اور فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعْیَ (الصافات ۱۰۳) ان مذکورہ امثال میں لَمَّا حِیْنَ کے معنیٰ میں ہے۔ (۲) لَمَّا اِلَّا کے معنی آتا ہے جیسے اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ مگر لَمَّا کو اِلَّا کے معنی میں لینے پر علامہ جوہری صاحب الصحاح زبردست نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وَقَوْلُ مَنْ قَالَ لَمَّا بِمَعْنَی اِلَّا فَلَیْسَ یُعْرَفُ بِاللُّغَۃِ یعنی جو حرف لَمَّا کا بمعنی اِلَّا قائل ہیں اس کا علم لغت سے دور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ صاحب تاج العروس ازہری وغیرہ ائمہ لغت سے نقل کرتے ہیں کہ حرف لَمَّا کو اِلَّا کے معنی میں لینا درست ہے۔ چنانچہ ابن برّی کہتے ہیں: وَقَدْ حَکیٰ سِیْبُوَیْہِ نَشَدْتُکَ اللہَ لَمَّا فَعَلْتَ بِمَعْنَی اِلَّا فَعَلْتَ۔ امام ازہری کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے: سَاَلْتُکَ لَمَّا فَعَلْتَ اَیْ اِلَّا فَعَلْتَ۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ علامہ جوہری کا قول تفردات پر مبنی ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ میں بعض مقامات پر لما آیا ہے جہاں اِلّا ہی کے معنی میں لیا جانا افصح اور اولیٰ ہے جیسے اِنْ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ (یٰسین ۳۲) اسی طرح اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ

---

[1] کتاب العین ۸/۳۲۲، الاتقان ۱/۴۶۸

وغیرہ میں جیساکہ خلیل نحوی لغوی اور دیگر لغویین کا نظریہ ہے۔[1]

لمّا کی اصل

سوال لما حرف جازم اپنی اصل پر ہے یا کوئی تغیر و تبدل ہوا ہے؟

جواب علامہ جوہری صاحب الصحاح اور علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ لما کی اصل لم ہے اس پر حرف مَا داخل کر دیا گیا جو کہ لم کے مواقع پر واقع ہوتا ہے۔ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ فرا نحوی کا قول یہ ہے کہ لمّا جب اِلّا کے معنی میں لایا گیا تو گویا وہ لم تھا اس میں ما، کا اضافہ کر دیا اور دونوں حروف حروف مل کر ان بمعنی جحد ہو گئے پھر اس لا، کی شمولیت ہو گئی اور دونوں باہم مل کر ایک حرف ہو گئے اس طرح لما ہو گیا۔ لیکن امام کسائیؒ نحوی کہتے ہیں کہ لَا اَعْرِفُ وَجْهَ تَشْدِيْدِ لَمَّا یعنی حرف لمّا پر تشدید آنے کی وجہ میں نہیں جانتا۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ کسائیؒ کا قول تشدید لمّا کی مخالفت پر مبنی ہے۔[1]

لام تاکید با نون ثقیلہ کے نکات

سوال فعل مضارع میں نون تاکید بغیر لام تاکید کے آسکتا ہے یا نہیں

جواب علّامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے کہ وہ فعل مضارع جس میں معنی انشا، پائے جاتے ہوں جیسے امر اِضْرِبَنَّ نہی لَا تَضْرِبَنَّ تمنّی لَيْتَكَ تَضْرِبَنَّ وغیرہ ان میں نون تاکید بغیر لام تاکید کے آتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ معنیٰ طلب (انشا) پائے جانے کے سبب تاکید کے مشابہ و مناسب ہو گیا لہٰذا اس میں مزید تاکید کی ضرورت نہیں اور وہ فعل مضارع جو محض خبر پر دلالت

---

[1] الصحاح ۵/ ۲۰۳۳ بیروت، تاج العروس ۱۷/ ۶۵۹ تا ۶۶۰۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے الصحاح ۵/ ۲۰۳۳، لسان العرب ۱۲/ ۳۳۵، تاج العروس ۱۷/ ۳۱۰ بیروت

کرتا ہے ۔اس پر نون تاکید داخل نہیں ہوتا ہے اور داخل ہونے کی صورت میں مضارع کے شروع میں لام تاکید آئے گا یہ محققین کا مذہب ہے ۔ اور بعض کے نزدیک مضارع معنی خبر کی صورت میں بھی لام تاکید کے بغیر نون تاکید کا دخول درست ہے[1]

سوال لام تاکید فعل مضارع کے شروع میں آتا ہے اور نون تاکید آخر میں ایسا کیوں ؟

جواب اول جواب یہ ہے کہ لام تاکید اسم کے واسطے بھی آتا ہے اور نون صرف تاکید فعل کے لئے اور اسم مقدم وقوی ہوتا ہے ۔ لہٰذا حرف تاکید لام بھی اس مناسبت سے اوّل اور مقدّم ہوگا اور فعل چونکہ موخر اور ضعیف ہوتا ہے ۔ لہٰذا اسکے مطابق حرف تاکید نون بھی موخر ہوگا تاکہ تاکید اسم اور تاکید فعل کے درمیان فرق واضح ہو جائے ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر لام تاکید کو موخر اور نون تاکید کو شروع میں لائیں گے تو ابتداء بالسکون لازم آئے گا جو کہ ممتنع ہے ۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نون تاکید کے لئے آخری محل ہی موزوں ہے ۔ کیونکہ تاکید توابع کی قسم ہے اور محل توابع آخر ہوا کرتا ہے[2]

سوال آپ نے کہا کہ تاکید کا محل آخر ہوا کرتا ہے تو لام ابتدا جو تاکید کے لئے آتا ہے وہ آخر میں کیوں نہیں آتا ؟

جواب صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ قاعدہ اور دستور کے مطابق اسکو بھی آخر میں آنا چاہیئے لیکن اس لام کا تقاضا یہی ہے کہ شروع میں آئے اور ابتداء کے لئے ضروری ہے کہ صدارت کلام ہو ۔ علامہ ابن کمال پاشا لکھتے ہیں کہ گر آخر میں زیادتی لام ہوتی تو دو زائد کا اجتماع لازم آتا اس لئے علیحدہ علیحدہ زائد کیا[3]

سوال نون ثقیلہ کی بحث مقدم اور نون خفیفہ کو موخر کیوں کیا جاتا ہے ؟

---

[1] تبیان ص ۳۲/۳۳ حاشیہ فصول اکبری ص ۱۹ ۔ [2] الحنفیہ ص ۱۰۱ ، تبیان ص ۳۳

[3] فلاح ص ۸۸ ، الحنفیہ ص ۱۰۱

جواب یہ کوئی ضابطہ تقدیم و تاخیر نہیں ہے بلکہ بعض لوگ نون خفیفہ کو مقدم کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب زنجانی نے کیا ہے اور جو نون ثقیلہ کو مقدم کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نون ثقیلہ میں تمام صیغے آتے ہیں اور نون خفیفہ میں اس سے کم اور اکثریت والے مقدم اور آگے ہوا کرتے ہیں اس لئے اس کو مقدم کرتے ہیں [۱]۔

سوال مشدد نون کو نون ثقیلہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس لئے کہ دو حروف یکجا جمع ہونے کے باعث ثقالت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی ادائیگی میں قدرے دشواری ہوتی ہے اسی وجہ سے ثقیلہ نام رکھتے ہیں۔ "باعتبار آنکہ دو حروف در وے یکجا بہم می آیند" [۲]

سوال نون ثقیلہ حرف ہے اور حرف میں مبنی علی السکون اصل ہے تو پھر نون ثقیلہ متحرک کیوں ہوتا ہے؟

جواب آپ کا اشکال تو بجا ہے لیکن اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر نون ثقیلہ پر حرکت نہیں دی جائیگی تو دو نون ساکن کا اجتماع علیٰ غیر حدہ لازم آئیگا جو کہ ممتنع ہے۔ اس لئے حرکت دی گئی [۳]۔

سوال اگر حرکت ہی مقصود تھی تو تمام حرکات میں فتحہ کیوں اختیار کیا؟

جواب ثقیلہ کی کثرت صیغہ اور تاکید و تکرار پر دلالت کرنے کے باعث چونکہ ثقیل ہو جاتا ہے اس لئے تخفیف کے پیش نظر اخف الحرکات فتحہ دیا۔ "واما اختیار فتحہ پس باعتبار قوت فتحہ و کثرت" [۴]

سوال نون ثقیلہ چودہ صیغوں میں آتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب اس لئے کہ چودہ صیغوں میں نون ثقیلہ کیلئے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں البتہ نون خفیفہ کے لئے مانع ہے اس کی وجہ نون خفیفہ کے نکات میں دیکھئے۔

---

[۱] حاشیۂ زنجانی ص۳۷ بتغیر۔　[۲] تبیان ص۳۳

[۳] تبیان ص۳۳، حاشیۂ زنجانی ص۳۷　[۴] حاشیۂ زنجانی ص۳۷، تبیان ص۳۳، فلاح ص۸۸

سوال صیغہ واحد مذکر و مونث و جمع مذکر غائب اور واحد و جمع مذکر حاضر واحد مونث حاضر اور متکلم کے ۲ دو صیغوں میں نون ثقیلہ مفتوح کیوں آتا ہے؟

جواب مذکورہ آٹھ صیغوں میں نون ثقیلہ مفتوح ہوتا ہے اس لئے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور نون ثقیلہ ثقالت کا باعث ہوتا ہے اور چونکہ یہ تثنیہ کے مشابہ بھی نہیں جس کی مناسبت سے کسرہ دیا جاتا اس وجہ سے مذکورہ آٹھ صیغوں کو فتحہ دیا گیا۔[1]

سوال چھ صیغوں میں نون ثقیلہ مکسور کیوں ہوتا ہے؟

جواب محشیٔ زنجانی ارقام فرماتے ہیں کہ نون ثقیلہ چونکہ مبنی ہے اور مبنی کی اصل ساکن ہے اور قاعدہ ہے کہ اَلسَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ یعنی ساکن کو حرکت کسرہ کی دی جانی چاہیئے اس لئے ان صیغوں میں کسرہ دیا۔ یا اس لئے کہ نون ثقیلہ الف کے بعد وقوع طرف میں تثنیہ کے مشابہ ہے اور تثنیہ کا نون مکسور ہوتا ہے اس لئے نون ثقیلہ ان میں مکسور ہوتا ہے۔[2]

سوال مذکورہ قاعدہ کے مطابق نون ثقیلہ کے تمام صیغوں میں کسرہ دینا چاہیئے؟

جواب ایسا نہیں اس لئے کہ ساکن کے بعد نون ثقیلہ کی حرکت کسرہ زبان پر دشوار نہیں ہوتی کیونکہ نون ثقیلہ سے پہلے الف ہے اور بقیہ آٹھ صیغوں میں الف نہیں اس لئے ثقالت کا باعث ہوگا لہٰذا حرکت کسرہ کے متحمل نہیں ہوں گے۔
"بخلاف صیغ باقیہ کہ درانہا ماقبل نون" الخ[3]

سوال نون ثقیلہ کے دخول کے وقت سات جگہوں سے نون اعرابی کیوں گر جاتا ہے؟

جواب اس کی کئی وجوہات ہیں۔ چنانچہ صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ نون ثقیلہ اپنے ماقبل سے اتصال کی بناء پر مبنی ہو جاتا ہے اور نون اعرابی چونکہ

---

[1] تبیان ص۳۶ [2] الحنفیہ ص۱۰۳، فلاح ص۸۹، حاشیہ زنجانی ص۳۸، تبیان ص۳۵ [3] ایضاً

علامتِ رفع ہے جو کہ معرب کا تقاضا کرتا ہے اور نون تاکید کلمہ کے مبنی ہونے کو مستدعی ہے۔ لہٰذا نون اعرابی کو ہی حذف کر دیا تاکہ ایک ہی کلمہ کو معرب و مبنی ہونا نہ لازم آئے جو کہ محال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک کلمہ میں تین نون کا اجتماع لازم نہ آئے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ نون اعرابی اعراب کے قائم مقام ہے جو کہ آخر کلمہ میں ہوتا ہے۔ لیکن مضارع کا آخر نون ثقیلہ کی شدتِ اتصال کی وجہ سے بیچ میں آگیا۔ چنانچہ وسط میں اعراب اور اس کے قائم مقام کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی اسلئے نون اعرابی کو حذف کر دیا جاتا ہے![1]

الف فاصل

سوال جمع مؤنث غائب و حاضر میں نون جمع اور نون ثقیلہ کے درمیان الف فاصل کیوں آتا ہے؟

جواب تاکہ ایک کلمہ میں تین نون کا اجتماع لازم نہ آئے ایک نونِ جمع دوسرے نون ثقیلہ جو دو نون کے قائم مقام ہے اس لئے کہ تین نون زائد کا جمع ہونا کلام میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔[2]

سوال الف کو ہی فصل (فرق) کرنے کے لئے کیوں خاص کیا جبکہ دیگر حروف بھی ہیں؟

جواب اس میں ایک معمولی حکمت یہ ہے کہ الف خفیف ہوتا ہے۔ لہٰذا بنظر خفت فاصل کے لئے الف کا انتخاب کیا گیا۔ چنانچہ محشی مراح الارواح تحریر کرتے ہیں: وَاخْتُصَّ الْاَلِفُ لِخِفَّتِهَا بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْوَاوِ الخ[3]

سوال الف فاصل لانے کی کوئی ضرورت نہیں اگر نون جمع کو حذف

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص ۴۰، الحنفیہ ص ۱۰۳، فلاح ص ۸۹، [2] الحنفیہ ص ۱۰۴، حاشیہ فصول اکبری ص ۱۹ تبیان ص ۳۳ فلاح ص ۹۰ [3] حاشیہ مراح ص ۶۹ تبیان ص ۳۴ زنجانی ص ۳۸

کر دیا جائے۔ کیونکہ تین نون کا اجتماع لازم نہیں آئے گا؟

جواب آپ کی تدبیر درست نہیں کیونکہ نون جمع علامت تانیث اور ضمیر فاعل ہے۔ لہٰذا اگر اس نون کو حذف کریں گے تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ فاعل مذکر ہے یا مونث اس صورت میں فاعل مجہول رہ جائے گا اس لئے حذف نہ کر کے الف فاصل ہی لامحالہ لانا پڑے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نون ثقیلہ کے اوّل نون اور لام کے درمیان اجتماع ساکنین لازم آئے گا۔ چنانچہ محشیٔ زنجانی لکھتے ہیں: لَا يُمْكِنُ[1] حَذْفُ نُوْنِ جَمَاعَةِ النِّسَاءِ كَمَا حُذِفَ الْوَاوُ مِنَ الْجَمْعِ الْمُذَكَّرِ

صاحبِ فلاح کی غلطی

علامہ ابن کمال پاشا صاحب فلاح الف فاصل کے متعلق لکھتے ہیں کہ اجتماع نونات سے بچنے کے لئے الف فاصل لایا جاتا ہے۔ مزید یہ لکھنا چاہیئے کہ نون جمع مونث کا نون حذف کرنا ممکن نہیں جس طرح کہ جمع مذکر کا واؤ حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ زنجانی نے لکھا ہے لیکن اس کے بجائے وہ تحریر کرتے ہیں وَلَا يُمْكِنُ حَذْفُ الْوَاوِ مِنَ الْجَمْعِ الْمُذَكَّرِ الخ جبکہ یہ صریح غلط ہے کیونکہ واو حذف ہوتا ہے۔ درست عبارت یہ ہے۔ وَلَا يُمْكِنُ حَذْفُ نُوْنِ جَمَاعَةِ النِّسَاءِ كَمَا حُذِفَ الْوَاوُ مِنَ الْجَمْعِ الْمُذَكَّرِ الخ[2]

سوال اجتماع ساکنین سے بچنے کے لئے لام کلمہ کو حرکت کیوں نہیں دے دیتے؟

جواب حرکت میں اگر کسرہ کی حرکت دی جائے تو کسرہ ثقیل اور نون ثقیلہ بھی ثقیل ہوتا ہے جس کی بناء پر ثقالت در ثقالت لازم آئے گی اور اگر فتحہ کی حرکت دی جائے تو جمع مونث غائب کا واحد مذکر غائب اور جمع مونث حاضر کا واحد مذکر حاضر سے اشتباہ لازم آئے گا اور اگر ضمہ کی حرکت دی جائے تو جمع مونث

---

[1] حاشیۂ زنجانی ۳۸، تبیان ۳۴، فلاح ۹۰ [2] فلاح ۹۰

غائب کا جمع مذکر غائب سے اور جمع مونث حاضر کا جمع مذکر حاضر سے اشتباہ لازم آئیگا لہٰذا کسی بھی صورت میں لام کی حرکت کو ضمہ نہیں دے سکتے اور نہ ہی الف فاصل سے رستگاری مل سکتی ہے![1]

سوال واحد مؤنث حاضر میں نون ثقیلہ کے ماقبل کسرہ پایا جاتا ہے آخر وہاں ایسا کیوں؟

جواب وہاں ضرورت کے پیش نظر ہے کیونکہ وہ کسرہ یاء محذوف پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ لہٰذا اس قدر ثقالت کو برداشت کیا جا سکتا ہے "بنظر ضرورت یعنی دلالت کردن بریاء محذوفہ[2] الخ۔

سوال نون ثقیلہ میں سے ایک نون کو حذف کر دیا جائے تو تین نون کے اجتماع سے بچا جا سکتا ہے اور الف فاصل کی چنداں ضرورت نہیں۔؟

جواب معترض صاحب آپ الف فاصل سے چھٹکارا پانے کے لئے بہت سی ناکام تدابیر سوچ رہے ہیں کیونکہ نون ثقیلہ میں سے اگر ایک نون کو حذف کر دیا جائے تو نون جمع ثقیلہ کے دوسرے نون میں مدغم ہو جائے گا جس سے فاعل کی جہالت لازم آئے گی۔ اس لئے کہ یہ نہیں معلوم ہو پائے گا کہ مذکر ہے یا مونث یا یہ کہ لام اور نون ثقیلہ کے اوّل نون کے درمیان اجتماع ساکنین کے باعث ادغام لازم آئے گا اور یہ ممتنع ہے۔

جواب مذکورہ تقریر سے بعض شراح اور محقق و شارح ملا علاء الدین کو پیدا ہونے والے خلجان اور تردد کا جواب علامہ عبدالحی نے یہ کہہ کر دیا ہے کہ ہم اسے مانعۃ الخلو پر محمول کرتے ہیں۔ مانعۃ الجمع پر محمول کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے[3]۔

سوال لَیَکُوْنُنَّ میں تین نون اور لَیَمْتَنَنَّ میں چار نون جمع ہو رہے ہیں پھر بھی یہاں الف فاصل کیوں نہیں آیا؟

---

[1] دیکھئے تبیان ص۳۲ [2] تبیان ص۳۲ [3] ایضاً

جواب: اوّل مثال میں تینوں نون زائد نہیں ہیں بلکہ پہلا نون اصلی ہے اور واوِ جمع و نون مدغم کے درمیان اجتماع ساکنین لازم آنے کی وجہ سے جمع مذکر غائب و جمع مذکر حاضر سے واؤ کو حذف کر دیا جاتا ہے اور صیغہ جمع مذکر میں نون ثقیلہ کے ماقبل ضمہ باقی رکھتے ہیں تاکہ وہ ضمہ حذفِ واو پر دلالت کرے۔ "ہر سہ نون زائد نیستند بلکہ اوّل اصلی است" الخ[1]

سوال: اس صورت میں حذفِ فاعل لازم آرہا ہے کیونکہ واو ضمیر فاعل ہے حالانکہ حذفِ فاعل ممنوع ہے؟

جواب: حرکتِ ضمہ واؤ کے قائم مقام موجود ہے اور اس طرح حذف کرنا درست ہے کیونکہ ضمہ کی موجودگی گویا کہ فاعل کی موجودگی ہے اسی طرح صیغہ واحد مونث حاضر سے یاء تانیث اور نون مدغم کے درمیان اجتماع ساکنین لازم آنے کی بناء پر یاء کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کے ماقبل کسرہ دیتے ہیں تاکہ کسرہ حذف یاء پر دلالت کرے![2]

حروف مدہ: وہ حروف علت ہیں جو ساکن ہوں اور انکے ماقبل کی حرکت ان کے مطابق ہوں۔ جیسے: قَالَ، یَقُوْلُ قِیْلَ۔

حروف لین: وہ واؤ اور یاء ہیں جو ساکن ہوں مگر ماقبل کی حرکت اس کے موافق و مطابق نہ ہو۔ جیسے: ثَوْبٌ وَسَیْفٌ۔

اجتماع ساکنین علیٰ حدّہ: وہ ہے کہ دونوں ساکن ایک کلمہ میں ہوں خواہ الف مدّہ ہو جیسے اِحْمَارَّ یا واو مدّہ جیسے اُحْمُوْدَّ یا واو غیر مدّہ جیسے ثَوْبَ بَکْرٍ یا، مدہ جیسے فِی اللہِ وغیرہ یہ حروف باہم مدغم ہوں گے اور اس صورت میں حروف علت اور حروف مدغم کے مابین التقاء ساکنین واقع ہوگا اور یہ جائز ہے۔

---

[1] تبیان صفحہ ۳۴، ۳۵، حاشیۂ زنجانی صفحہ ۴۰

[2] الحنفیہ صفحہ ۱۰۲، حاشیۂ زنجانی صفحہ ۴۰، تبیان صفحہ ۲۵



اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدّہ

وہ یہ ہے کہ دو ساکن جمع ہوں اور ساکن ثانی اس میں سے مدغم نہ ہو خواہ ساکن اول حرفِ مدّہ یا حرف لین میں سے ہو یا نہ ہو۔ یہ نحوین کے نزدیک جائز نہیں چنانچہ محشیٰ زنجانی لکھتے ہیں" خواہ ساکن اوّل اند حرف مدولین باشد خواہ نہ وایں نزد نحویین روا نیست[1]"۔

سوال جمع مذکر غائب و جمع مذکر حاضر و واحد مونث حاضر میں اجتماع ساکنین علیٰ حدّہ کے طور پر ہے یعنی اول ساکن مدّہ اور دوسرا ساکن مدغم اس طرح اجتماع ساکنین جائز ہے۔ لہٰذا واو اور یاء کو کیوں حذف کیا جاتا ہے؟

جواب اوّل جواب یہ ہے کہ اجتماع ساکنین علی حدّہ جائز ہے لیکن دونوں ساکن کی بقاء واجب نہیں۔ لہٰذا سوال کے مذکورہ صیغوں میں چونکہ کلمہ ثقیل ہو گیا اور طوالتِ کلام لازم آتی ہے اور چونکہ واؤ پر دلالت کرنے والا ضمہ اور یاء پر دلالت کرنے والا کسرہ موجود ہے۔ لہٰذا تخفیف کے واسطے اس کو حذف کردیتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اجتماع ساکنین علی حدّہ صرف کلمہ واحدہ میں درست ہے۔ اور مذکورہ صیغوں میں دو کلمے ہیں۔ اس لئے کہ ضمیر دوسرا کلمہ ہے اور نون دوسرا کلمہ لہٰذا نون ثقیلہ میں واؤ اور یاء کے حذف کرنے کی یہی وجہ ہے[2]۔

سوال صیغہ تثنیہ میں الف کیوں نہیں حذف کیا جاتا جبکہ اجتماع ساکنین علی حدّہ لازم آتا ہے کیونکہ الف اور نون مدغم دو کلموں میں واقع ہے اور دال الف فتحہ بھی موجود ہے؟

جواب اس جگہ حذف الف کے لئے مانع یہ ہے کہ صیغہ تثنیہ کا واحد سے التباس لازم آئے گا اور ثقل بھی پیدا نہیں ہوگا اس کی کچھ بحث امر کے نکات میں ملاحظہ فرمائیں[3]۔

---

[1] زنجانی ص۳۹ [2] تبیان ص۳۵ [3] ایضاً

فائدہ صیغہ جمع مذکر سے واؤ اور واحد مؤنث سے یاء کا حذف اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ واؤ اور یاء مدّہ ہو ورنہ واؤ اور یاء کو حذف نہیں کریں گے کیونکہ اس صورت میں واؤ پر دلالت کرنے والا ضمہ مفقود ہے اور یاء پر بھی دلالت کرنے والا کسرہ مفقود اس لئے مناسبت کے لحاظ سے التقاء ساکنین کو دفع کرنے کی شکل یہ ہے کہ واؤ کو ضمہ کی حرکت اور یاء کو کسرہ کی حرکت دینگے۔ جیسے: اِخْشَوُنَّ اور اِخْشَيِنَّ۔[1]

سوال اجتماع ساکنین علی حدّہ یعنی ساکن اول مدّہ اور ساکن دوم مدغم میں اجتماع ساکنین کیوں جائز ہے۔؟

جواب اس وجہ سے جائز ہے کہ ساکن دوم جو مدغم ہے اس کا تلفظ مستقلاً نہیں ہوتا بلکہ مدغم فیہ کے تلفظ کے ساتھ ہی بلا تکلف اس کی ادائیگی ہو جاتی ہے تو گویا کہ کلام میں ساکن دوم کا وجود ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ایک ہی حرف ساکن رہا جسکے جواز میں کوئی شائبہ نہیں رہا۔[2]

فائدہ: نون تاکید کے ساتھ مضارع منفی لَا یا مَا کے ذریعہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مضارع منفی بہ لَا یا مَا کے آخر میں نون ثقیلہ یا نون خفیفہ کو لایا جائے اور جو نون ثقیلہ مثبت میں ساقط ہوتا ہے وہ نفی میں بھی ساقط ہوگا اور جن مثبت صیغوں میں نون خفیفہ نہیں آتا ہے وہ نفی میں بھی نہیں آئیگا اور حرف نفی کی زیادتی کو تصرفاتِ اثبات پر قیاس کریں۔ علامہ ابن حاجب کا عندیہ یہ ہے کہ مَا اور لَا کے ذریعہ نفی میں نون ثقیلہ و نون خفیفہ کا اتصال بہت کم ہوتا ہے۔ "ابن حاجب گفتہ کہ اتصالش در نفی کمتر است"۔[3]

---

[1] تبیان ص۳۵　[2] حاشیۂ زنجانی ص۳۹، تبیان ص۳۵

[3] تبیان ص۳۸، محمّد ہارون ثاقب غفرلہ الخالق

نون خفیفہ کے نکات

سوال نون ساکن کو نون خفیفہ کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ ایک ساکن دو۲ متحرک کی بہ نسبت خفیف ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں ہلکاپن اور خفت ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کو نون خفیفہ کہتے ہیں۔ "زیراچہ ساکن واحد خفیف می باشد"۔[۱]

سوال نون خفیفہ صرف آٹھ صیغوں میں آتا بقیہ چھ صیغوں سے کیا دشمنی ہے ؟

جواب آٹھ صیغوں میں نون خفیفہ کے لئے کوئی مانع ورکاوٹ نہیں لیکن بقیہ چھ۶ صیغوں میں نون خفیفہ کے لئے مانع ہے وہ یہ ہے کہ ان چھ صیغوں (چار تثنیہ دو۲ جمع مونث غائب وحاضر) میں الف آتا ہے۔ چنانچہ نون خفیفہ بھی لایا جائے تو الف اور نون خفیفہ کے اجتماع ساکنین علی غیر حدہ لازم آئے گا اس سے بچنے کے لئے نون خفیفہ نہیں لاتے۔[۲]

سوال نون خفیفہ پر حرکت کیوں نہیں دیتے تاکہ اجتماع ساکنین جو الف کی صورت میں ہوتا ہے لازم نہ آتا ؟

جواب اگر ایسا کریں گے تو واضع کے وضع کے خلاف لازم آئے گا۔ اس لئے کہ واضع نے اس کو ساکن کے لئے وضع کیا ہے۔ لہٰذا واضع کے وضع کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا نہیں کریں گے۔[۳]

سوال اگر نون خفیفہ پر حرکت نہیں دیتے تو پھر الف فاصل اور

---

[۱] تبیان ص۳۳　　[۲] تبیان ص۳۳ تا ۳۶

[۳] الحنفیہ ص۱۰۴ ، تبیان ص۳۶

نون خفیفہ دونوں میں سے ایک کو کیوں نہیں حذف کر دیتے؟

جواب دونوں صورتوں میں ضرر اور نقصان ہے کیونکہ اگر نون خفیفہ کو حذف کرتے ہیں تو اس نون کے لاحق کرنے کا فائدہ تاکید مرتب نہ ہوگا۔ اسی کو علامہ فرحت علیؒ نے شرح فصول اکبری میں ذکر کیا ہے اور اگر الف کو حذف کرتے ہیں تو صیغۂ واحد سے التباس لازم آئے گا۔[۱]

سوال التباس تو تثنیہ کے چار صیغوں میں لازم آئے گا لیکن جمع مؤنث غائب وحاضر میں اگر الف فاصل نہ ہو تو نون خفیفہ کے دخول میں کوئی قباحت لازم نہیں آئے گی؟

جواب اس کا اوّل جواب تو یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ۲ دو نون زائد کا اجتماع لازم آئے گا ایک نون مؤنث دوسرا نون خفیفہ اور یہ مستکرہ وغیر پسندیدہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جمع مؤنث وحاضران ۲ دو صیغوں میں نون ثقیلہ داخل ہونے کے باعث اجتماع نونات کے ازالہ کے لئے الف فاصل لایا جاتا ہے تو چونکہ نون ثقیلہ اصل ہے اور خفیفہ فرع اور فرع کا حکم اصل کے مطابق ہوتا ہے۔ لہٰذا نون خفیفہ داخل کرنے میں اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ اصل کے حکم کی متابعت میں الف لایا جائے گا اور الف کی صورت میں اگر نون خفیفہ کا الحاق ہوگا تو پھر اجتماع ساکنین علی غیر حدّہ لازم آئے گا![۲]

جواب دوم پر صاحبِ تبیان کا نقد

جواب دوم پر صاحبِ تبیان علّامہ عبدالحیؒ نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ جواب ۲ دو وجوہ سے مخدوش ہے۔ اوّل اس لئے کہ نون ثقیلہ کا اصل ہونا یہ کوفیین کا مسلک ہے نہ کہ بصریین کا۔ دوسری وجہ مخدوش ہونے کی یہ ہے کہ فرع کے لئے یہ لازم وضروری نہیں کہ اصل کے تمام احکام کی متابعت ہو۔ راقم الحروف

---

[۱] تبیان ص۳۶　[۲] تبیان ص۳۶

کہتا ہے کہ اوّل جواب زیادہ صحیح اور درست ہے۔

" دریں صورت لازم می آمد اجتماع دو نون زائد وایںہم مستکرہ است"[1]

سوال نون خفیفہ میں صیغہ جمع مذکر غائب و حاضر اور واحد مؤنث حاضر سے واؤ اور یاء کیوں حذف ہوتے ہیں ؟

جواب نون خفیفہ کے داخل ہونے سے ان صیغوں میں اجتماع ساکنین علی غیر حدّہ لازم آئے گا جس کی بناء پر واؤ اور یاء کو حذف کر دیا جاتا ہے اور نون خفیفہ کا عدم حذف اس لئے ہے کہ وہ تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ چنانچہ حذف کی صورت میں مقصد فوت ہو جائے گا[2]

سوال جن چھ۶ صیغوں میں نون خفیفہ نہیں آتا ان میں نون خفیفہ کا لانا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب اس کے متعلق شیخ ابن یعیش نحوی اور شیخ عبدالحی تحریر فرماتے ہیں کہ یونس نحوی اور بعض کوفیین کے نزدیک ممنوع چھ صیغوں میں بھی نون خفیفہ کا لانا جائز ہے۔ یونس نحوی تو نون خفیفہ کے ساکن کو اپنی حالت پر برقرار رکھتے ہیں، البتہ دیگر حضرات اس نون کو کسرہ دیتے ہیں[3]

یونس نحوی پر علامہ تفتازانی کا اعتراض

اس مذکورہ مسلک پر علامہ سعدالدین التفتازانی کہتے ہیں کہ یہ مذہب قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ مکمل چودہ صیغوں میں نون خفیفہ کا لانا قیاس اور فصحاء کے استعمال کے خلاف ہے[4]

---

[1] تبیان ص۳۶ مع اضافہ [2] تبیان ص۳۵

[3] شرح المفصل ۳۸/۹، تبیان ص۳۶، حاشیہ فصول اکبری ص۱۹ حاشیہ زنجانی ص۳۸

[4] حاشیہ زنجانی ص۳۸، تبیان ص۳۶

یونس نحوی کا جواب

یونس نحوی علّامہ سعد الدین تفتازانی کا وارد کردہ اعتراض اس طرح دفع کرتے ہیں کہ ان چھ صیغوں میں جہاں نون خفیفہ سے پہلے الف آتا ہے۔ وہ التقاء ساکنین عدم کے درجہ میں ہے کیونکہ وہ ضعیف ہے اور اس کے ماقبل فتحہ ہے گویا کہ اجتماع ساکنین نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ وصفی بن نصیر نے بھی مذہب یونس کو پسندیدہ لکھا ہے۔

" از التقاء ساکنین بدیں وجہ کہ الف کہ واقع است قبل نون بمنزلہ عدم"[1] الخ.

سوال معنیٔ تاکید کا فائدہ دینے میں نون ثقیلہ و نون خفیفہ دونوں برابر ہیں یا نہیں؟

جواب شیخ شمس الدّین و علامہ عبدالحیٔ لکھتے ہیں کہ فعل مضارع کو موکد کرنے میں دونوں برابر ہیں مگر اکثر کوفیین نون ثقیلہ کو اصل اور نون خفیفہ کو اس کی فرع قرار دیتے ہیں اس کے برخلاف بصریین ہر ایک کو اصل قرار دیتے ہیں اور دونوں نون کے درمیان باھم تفریق کے قائل نہیں اور امام سیبویہ نحوی کا بھی یہی نظریہ ہے خلیل نحوی کے نزدیک نون خفیفہ کی بہ نسبت نون ثقیلہ میں زیادہ تاکید پائی جاتی ہے:

قَالَ الْخَلِيْلُ اِذَا اُتِيْتَ بِالنُّوْنِ الْمُوَكَّدَةِ الْخَفِيْفَةِ فَاَنْتَ مُوَكِّدٌ وَاِذَا اُتِيْتَ بِالثَّقِيْلَةِ فَاَنْتَ اَشَدُّ تَوْكِيْدًا[2] الخ

---

[1] تبیان ص۳۶۔ [2] فلاح ص۸۸، فصول اکبری ص۱۹، تبیان ص۳۶،

حاشیۂ مراح۔ ہندوبریس۔ شرح المفصل ۹/۳۸ بیروت۔

امرِ حاضر کے نکات

سوال امر کے لغوی معنی بتائیں جو مستند اور معیاری لغت سے ہم آہنگ ہو

جواب امر لغت میں فعل حالت اور شان پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ السعید الشرتونی اقرب الموارد میں لکھتے ہیں کہ امر فعل و شان کے معنی میں اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا قول وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ اَیْ فِعْلُهٗ وَحَالُهٗ۔ صاحب الفلاح بھی لکھتے ہیں اَلْاَمْرُ فِی اللُّغَةِ یُطْلَقُ عَلَی الْفِعْلِ وَالْحَالِ یُقَالُ اَمْرُ فُلَانٍ مُسْتَقِیْمٌ اَیْ فِعْلُهٗ وَحَالُهٗ۔[1]

سوال امر کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب امر وہ صیغہ جس کے ذریعہ فاعل سے فعل طلب کیا جائے جیسے اِضْرِبْ، لِیَضْرِبْ۔[2]

سوال امر۔ التماس۔ دعا میں کیا فرق ہے؟

جواب اہل عربیہ کی اصطلاح میں امر طلب فعل کے لئے وضع کیا گیا ہے خواہ آمر مامور سے مرتبہ میں اعلیٰ ہو یا مساوی یا ادنیٰ۔ علامہ عبد الحیٔ لکھتے ہیں کہ ارباب اصول اس عندیہ کے قائل ہیں کہ آمر جب مامور سے اعلیٰ ہو تو امر کہا جائیگا اور اگر امر مامور سے ادنیٰ ہے تو دعا اور اگر دونوں مساوی ہیں تو التماس کہا جائے گا۔ صاحب الخنفیہ نے اس بات کو اصولیین کے بجائے منطقیین کی جانب سے منسوب کیا ہے جو بہتر نہیں![3]

---

[1] اقرب الموارد ۱/۱۸ بیروت، فلاح ص۷۶، زنجانی ص۳۰

[2] الخنفیہ ص۹۱ فلاح ص۷۷ زنجانی ص۳۰ [3] الخنفیہ ص۹۲ تبیان ص۳۸

سوال صیغہ اِفعَل، لِیَفعَل جیسے افعال کو امر ہی سے کیوں تعبیر کرتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ امر لغت میں فرمودن (فرمانے) کے معنی میں ہے اور لغوی و اصطلاحی معنی کے درمیان مناسبت ہے اس لئے امر کہتے ہیں[1]۔

سوال امر کی بحث کو عموماً فعل مضارع کے بعد کیوں لاتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ امر مضارع سے ماخوذ منہ ہے اور اصل مقدم ہوتا ہے چنانچہ صاحب الحنفیہ اور علامہ عبدالحی کی رائے یہی ہے " زیراچہ امر ماخوذ است از مضارع و ماخوذ منہ ازحق بتقدیم است الخ[2]۔

سوال امر کے ماخوذ منہ میں کیا کوئی اختلاف ہے اگر ہے تو بالتفصیل مع قول راجح بیان کریں ؟

جواب اکثر صرفیین اس بات پر متفق ہیں کہ امر فعل مضارع سے ماخوذ ہے مگر صاحب فصول اکبری کہتے ہیں کہ امر مضارع سے مشتق نہیں ہے کیونکہ مضارع تَفَعَّلُ کی تاء امر میں باقی نہیں رہتی حالانکہ اشتقاق میں مادہ اور معنی کی بقاء ضروری ہے۔ لہٰذا امر مشتق ہے مصدر سے، غائب غائب سے، حاضر حاضر سے، معروف معروف سے[3]۔

سوال بعض صرفیین امر غائب کو امر حاضر پر کیوں مقدم کرتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ امر غائب میں فعل مضارع کی اصل ہیئت و صورت باقی رہتی ہے بخلاف حاضر کے کہ اس میں تبدیلی آجاتی ہے اس اعتبار سے امر غائب اصل ہوا اور امر حاضر فرع علامہ مہدی نے اسی جواب کو لکھا ہے :

لِاَنَّ صِیغَۃَ الْمُضَارِعِ بَاقِیَۃٌ فِی الْغَائِبِ[4]۔

---

[1] تبیان ص۳۸ [2] الحنفیہ ص۹۱ ، فلاح ص۷۶ تبیان ص۳۸ [3] تبیان ص۳۸

[4] الحنفیہ ص۹۱ ، فلاح ص۷۶ ، حاشیہ مراح ص۵۹۔

سوال امر کا مضارع سے مشتق ماننا محال ہے پھر کیسے امر کا ماخوذ منہ مضارع قرار دیا گیا؟

جواب امر کا مضارع سے مشتق ماننا ان حضرات کے نزدیک مشکل و محال ہے جو مضارع کا حقیقی معنی حال کے قائل ہیں جیساکہ مضارع کے نکات میں گزرا تو اس صورت میں چونکہ امر معنیٰ حال کے لئے ہو گیا تو حال کا حال سے مستنبط ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے لیکن جو مضارع میں معنیٰ حقیقی حال کے قائل ہیں وہ معنیٰ استقبال میں استعمال کے منکر نہیں۔ لہٰذا اس وقت فعل مضارع مستقبل کے کے معنی میں لیا جائے گا جو کہ محال لازم نہیں آئیگا۔[1]

سوال فعل امر مضارع سے ہی کیوں بنایا جاتا ہے ماضی سے کیوں نہیں؟

جواب اس لئے کہ فعل امر اور مضارع دونوں میں معنی استقبال کے اعتبار سے مناسبت و مشابہت ہے کیونکہ اگر امر کو فعل ماضی سے متعلق کیا جائے گا تو تحصیل حاصل اور تکلیف مالا یطاق لازم آئے گا کیونکہ موجود فی الحال کی ایجاد محال لہٰذا مضارع کے علاوہ کوئی صورت چارہ نہیں۔ لِاَنَّہٗ یُوَدِّیْ اِلٰی تَحْصِیْلِ الْحَاصِلِ وَھُوَ مُحَالٌ فَتَعَیَّنَ الْمَضَارِعُ[2] الخ

سوال امر حاضر معروف بنانے کے لئے علامت مضارع کو کیوں حذف کرتے ہیں؟

جواب جواب اوّل یہ ہے کہ فعل مضارع اور امر میں فرق کے لئے حذف کرتے ہیں تاکہ حالتِ وقف میں فعل مضارع سے التباس نہ لازم آئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حذف علامت مضارع اس لئے کرتے ہیں کہ فعل مضارع میں تغیر و تبدیلی مقصود ہے۔ لہٰذا علامت مضارع کو باقی رکھنا بے سود ہے۔[3]

---

[1] الحنفیہ ص۱۲ [2] فلاح ص۷۷، الحنفیہ ص۹۲، تبیان ص۳۸

[3] الحنفیہ ص۹۴ تبیان ص۳۸ مراح دعزی ص۹

سوال حذفِ علامت مضارع امر حاضر معروف ہی کے ساتھ کیوں خاص ہے امر غائب میں کیوں نہیں۔؟

جواب امر غائب کی بہ نسبت امر حاضر کا استعمال زیادہ ہے اور کثرت استعمال تخفیف کا متقاضی ہے۔ لہٰذا تخفیف کے پیش نظر امر حاضر سے علامت مضارع حذف کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امر حاضر مجہول لِتُضْرَبْ میں حذف نہیں کرتے کیونکہ اس کا استعمال قلیل ہے[1]۔

سوال حذفِ علامت مضارع کے بعد ہمزہ وصل لاتے ہیں پھر لفظ میں تخفیف کہاں ہوئی۔؟

جواب ہر امر حاضر میں ہمزہ وصل کا آنا ضروری نہیں۔ چنانچہ بغیر ہمزہ کے بھی آتا ہے جیسے قِ۔ عِدْ اور جہاں بھی آتا ہے تو وہ بھی حالت وصل میں گر جاتا ہے۔ مثلاً فَاطْلُبْ لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا "آمدن ہمزہ وصل در ہر امر ضرور نیست[2]"

سوال حذف علامت مضارع کے بعد ہمزہ وصل کیوں لاتے ہیں؟

جواب طلب تخفیف کے لئے کیونکہ کلام کا ابتداء بالسکون سے شروع کرنا متعذر و دشوار ہے اس لئے اس کے مطابق ہمزہ وصل جو مبدا مخارج میں سے ہے اور مطلق صدارتِ کلام میں واقع ہوتا ہے، کو لایا جاتا ہے[3]۔

سوال ابتداء بالسکون متعذر ہے یا متعسر؟

جواب علامہ رضی شارح شافیہ لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات ابتداء بالسکون کے متعذر ہونے کے قائل ہیں لیکن ابن جنیؒ نحوی متعسر کے قائل ہیں اور استدلال فارسی کے الفاظ شُتر اور سطام سے کرتے ہیں کہ ان میں ابتداء

---

[1] الحنفیہ ص۹۴، تبیان ص۳۸، فلاح ص۸۶　[2] تبیان ص۳۸

[3] الحنفیہ ص۹۵، حاشیہ زنجانی ص۳۲ تبیان ص۴۰

بالسکون ہے۔ تاہم ظاہر یہی ہے کہ ایسا محال ہے اور ابتداء کے لئے متحرک ضروری ہے رہی بات شتر اور سطام کی تو اس کا متحرک ہونا غایت خفاء میں ہے جس سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ ابتداء بالسکون ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے[1]۔

سوال ابتداء بالسکون سے بچنے کے لئے زیادتی ہمزہ ہی کو کیوں خاص کیا حروف زائدہ سَأَلْتُمُونِیهَا میں سے دوسرے حرف کو کیوں نہیں لیا؟

جواب شیخ عبدالحی تبیان میں اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ ہمزہ حروف حلقی میں سے ہے اور حروف حلقی شرافت وقوت کے سبب بقیہ حروف پر فوقیت رکھتے ہیں۔ صاحبُ الحنفیہ ومحشی زنجانی تحریر کرتے ہیں کہ ہمزہ حروف ابتدائیہ میں زیادہ قوی ہے اور اقویٰ سے شروع کرنا اولیٰ ہے۔ نیز ہمزہ وصلیہ کا حکم یہ ہے کہ وہ شروع میں آئے اور کتابتہً ساقط ہو جائے بخلاف دیگر حروف کے اور ہمزہ زیادہ خفیف بھی ہوتا ہے[2]:

سوال حروف حلقی میں سے زیادتی کے لئے ہمزہ ہی کو کیوں خاص کیا؟

جواب ہمزہ اور حرف عِلّت میں مناسبت ہے اس طرح کہ ہمزہ الف سے بدل جاتا ہے اور زیادتی کا زیادہ مستحق حرف عِلّت ہے لہٰذا باہم مناسبت کی بناء پر ہمزہ اختیار کیا گیا۔ محشیٔ زنجانی یوں لکھتے ہیں کہ تمام حروف حلقی میں آواز نکلنے کے اعتبار سے ہمزہ مقدم ہے اس لئے زیادتی میں بھی اس کو مقدم رکھا[3]!

سوال اس میں نون اعرابی کیوں حذف ہو جاتا ہے؟

جواب اس لئے کہ نون اعرابی رفع کے بدلہ میں ہے چونکہ وہ اعراب امر کے مبنی کے وقت ساقط ہو جاتا ہے لہٰذا نون بھی ساقط ہو جائے گا[4]۔

---

[1] شرح شافیہ جلد ۲، ص ۲۵۱ بیروت غایۃ البیان ص ۵۴

[2] الحنفیہ ص ۹۵، زنجانی ص ۳۲، تبیان ص ۴۰

[3] فلاح ص ۸ تبیان ص ۴۰ حاشیہ زنجانی ص ۳۲ [4] تبیان ص ۴۴

سوال جمع مؤنث کا نون کیوں نہیں حذف ہوتا؟

جواب اس لئے کہ یہ نون جمع مونث کی علامت و ضمیر فاعل ہے اور علامت میں تحریف و تبدیلی نہیں ہوا کرتی![1]

امر حاضر کے معرب و مبنی میں اختلاف

سوال امر حاضر کے معرب و مبنی سے متعلق بصریین و کوفیین کا کیا اختلاف ہے؟

جواب اس سلسلہ میں بصریین و کوفیین کی گھمسان جنگ ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل کئی صفحات کو محیط ہو جائے گی۔ شیخ ابن یعیش صاحب شرح المفصل نے اس پر سیر حاصل کلام کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔

بصریین کا موقف مع الدلیل

بصریین کا موقف یہ ہے کہ امر حاضر مبنی علی السکون ہوتا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ افعال میں مبنی اصل ہے اور چونکہ فعل امر اسم کے مشابہ نہیں جس کی وجہ سے وہ معرب ہو جائے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ فاعلیت، مفعولیت اور اضافت کا محمل نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کمال لکھتے ہیں: لِعَدَمِ تَوَارُدِ الْفَاعِلِيَّةِ وَالْمَفْعُوْلِيَّةِ وَالْاِضَافَةِ۔[2] الخ

کوفیین کا مسلک اور دلیل

کوفیین کا مسلک اور نظریہ یہ ہے کہ امر حاضر معرب ہے مبنی نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ امر حاضر کا جزم عامل جازم مقدر یعنی لام طلب کی وجہ سے ہے کیونکہ اضرب کی اصل لتضرب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] شرح المفصل جزء ۷ ص ۶۱ الحنفیہ ص ۱۰ فلاح ص ۸۷ حاشیۂ زنجانی ص ۳۱ حاشیہ مراح ص ۶۷

نے فَرِحُوا کی جگہ فَلِتَفْرَحُوا نیز ایک حدیث شریف لِیَنْمُو وَلَو بِشَوْکَۃٍ میں بھی لام آیا ہے اور شاعر نے بھی اپنے کلام میں استعمال کیا ہے۔
لِتَقُمْ اَنْتَ یَا ابْنَ خَیْرِ قُرَیْشٍ فَتَقْضِ حَاجَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ
ترجمہ: اے فخر قریش اٹھو اور مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرو۔
کثرت استعمال کی بناء پر لام کو حذف کردیا اس کے بعد علامت مضارع کو بھی حذف کردیا تاکہ حذفِ لام کے بعد صیغہ مضارع سے التباس نہ ہو پھر ہمزہ وصل داخل کردیا گیا۔ کوفی حضرات مذکورہ امثال سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ امر حاضر معروف میں لام ملفوظ مقدر ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو فصیح العرب والعجم آپ صلی اللہ اللہ علیہ وسلم امر حاضر میں لام کا اظہار نہ کرتے جس سے یہ ثابت ہوا کہ امر حاضر میں لام مقدر ہے۔ لہٰذا امر حاضر معروف معرب اور جزم لام مقدر کی وجہ سے ہوگا۔[1]

بصریین کی جانب سے دلائل کوفیین کی جرح

سوال کوفیین کے دلائل مضبوط معلوم ہو رہے ہیں کیا آپ بصریین کی جانب سے جرح کر سکتے ہیں؟

جواب بالکل کمربستہ ہیں اور ہم تنہا نہیں بلکہ علامہ زمخشری ہماری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ چنانچہ کئی دلائل سے کوفیین کے دلائل کو بے نقاب کرکے قارئین کے سامنے ظاہر کردیں گے۔

اول جواب محشی زنجانی یہ دیتے ہیں کہ کوفیین کی دلیل ضعیف ہے اس لئے کہ عامل جازم کا حذف عامل جار کے حذف کے مانند ہے کہ اس کی بقاء کے باوجود اس کا عمل کرنا اقل قلیل ہے اور امر حاضر مطرد ہے۔ لہٰذا مطرد کو قلیل پر

---

[1] شرح المفصل جزء ۷ ص ۶۱، زنجانی ص ۳۱ فلاح ص ۸۶، الحنفیہ ص ۱۰۰ تبیان ص ۴۷ حاشیہ مراح ص ۶۶

قیاس کرنا نازیبا اور نامناسب ہے گویا کہ اس کو معربات میں داخل کرنا جبری شمولیت کے مترادف ہے۔

دوسرا جواب بصریین کی طرف سے علامہ جار اللہ زمخشری یہ دیتے ہیں کہ کوفیین کا یہ کہنا لام مقدرہ کی وجہ سے امر حاضر معروف مجزوم ہوتا ہے۔ ھٰذَا خُلْفٌ مِنَ الْقَوْلِ اس لئے کہ علامت مضارع معرب کی علت ہے۔ جب علامت ختم ہوگئی تو معرب ہونا بھی ختم کیوں کہ حرف مضارع صیغوں میں ایسا ہے جیسا کہ اسم فاعل میں میم۔ چنانچہ میم کا مقدر کرنا درست نہیں۔ اسی طرح حرف مضارع کو مقدر کرنا بھی صحیح نہیں[1]!

حدیث شریف کا جواب:

سوال کوفیین نے موقف کی تائید میں حدیث شریف کو پیش کیا ہے اس کا کیا جواب دیں گے؟

جواب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فَلْتَفْرَحُوْا پڑھنا شاذ ہے اور اِضْرِبْ اور لِتَضْرِبْ ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ دونوں مستقلاً علیحدہ اوزان ہیں۔ لہٰذا بلا ضرورت داعیہ اس کو اپنی اصل سے باہر کرنا اور دوسرں میں شامل کرنا بہتر نہیں کیونکہ طلب فعل لام ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ کبھی نفس صیغہ اِضْرِبْ سے ہوتا ہے اور کبھی لام امر سے جیسے لِتَضْرِبْ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی قرأت احتمال رکھتی ہے کہ وہ مبنی ہو اس لئے کہ امر حاضر کا حذف بطریق امر غائب بھی جائز ہے[2]!

سوال امر حاضر مجہول لِتُفْعَلَ سے علامت مضارع کیوں نہیں حذف ہوتا؟

جواب چونکہ مضارع مجہول قلیل الاستعمال ہے۔ لہٰذا زیادتیٔ حرف میں کوئی مضائقہ نہیں[3]

---

[1] حاشیۂ زنجانی ص۳۱ حاشیہ مراح ص۶۶ ہندو پریس۔ [2] حاشیۂ مراح الارواح ص۶۶ [3] حاشیہ میزان ص۱۸

ہمزۂ وصل کے نکات

سوال ہمزۂ وصل کو ہمزہ وصل کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس کی تفصیلی تحقیق احقر کی کتاب عمدۃ التحقیقات صفحہ ۷۶ میں ملاحظہ فرمائیں!

سوال امر کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ علامت مضارع کے بعد ساکن ہو تو علامت مضارع حذف کر کے ہمزہ وصل لایا جائے گا۔ یہ قاعدہ کُلْ۔ خُذْ۔ مُرْ سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ ان کی اصل تَاْکُلُ تَاْخُذُ تَاْمُرُ ہے اس کے باوجود امر میں ہمزہ وصل کیوں نہیں؟

جواب ان تمام میں ہمزہ وصل مضموم ہے کیونکہ ان کی اصل اُؤْخُذْ اُؤْکُلْ اُؤْمُرْ ہے دو ہمزہ جمع ہونیکی بنا پر ہمزہ ثانیہ کو بغرض تخفیف حذف کر دیا پھر اس کے مابعد حرکت ہونے کی بنا پر ہمزہ اولیٰ کی ضرورت نہیں رہی اس لئے ہمزہ اوّل کو بھی حذف کر دیا۔ لفظ کُلْ۔ خُذْ۔ مُرْ کے متعلق شیخ مرتضیٰ زبیدی اور علامہ ابن منظور تفصیلی کلام کرتے ہوئے تہذیب اللغۃ کے حوالہ سے ابو اللیث کا قول نقل کرتے ہیں کہ اُؤْمُرْ اُؤْخُذْ اُؤْکُلْ کے بجائے مُرْ کُلْ خُذْ کہا جائے گا اور اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ اصل صورت میں دو ہمزہ جمع ہونے کے باعث ہمزہ اصلیہ کو حذف کر دیا گیا پھر ساکن نہ ہونے کی بناء پر ہمزہ زائدہ کو بھی حذف کر دیا گیا پھر لکھتے ہیں کہ کلام سے پہلے جب حرف واؤ یا فاء ہو تو صرف لفظ مُرْ کو اصل کی طرف لوٹا کر اُؤْمُرْ کہا جائے گا جیسے باری تعالیٰ کا قول: وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ طٰہٰ ۱۳۲ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ اعراف ۱۳۲

لیکن لفظ کُلْ اور خُذْ میں واؤ یا فاء آنے کے باوجود اصل صیغہ کیطرف لوٹا کر اُؤکُلْ اُؤخُذْ کہنا صحیح نہیں۔ چنانچہ کلام باری وَکُلَا رَغَدًا۔ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ہے فَاْكُلَا اسی طرح فَاْخُذَا نہیں کہا گیا مزید ایک نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ واؤ یا فاء آنے کی صورت میں لفظ مُرْ کو اُؤمُرْ اصل کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور کُلْ وخُذْ میں ایسا نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام عرب میں کافی وسعت ہے۔ اسطور پہ کہ لبسا اوقات کسی چیز کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیتے ہیں کبھی ماسبق پر محمول کرتے ہیں اور لبسا اوقات حرف کو ہمزہ سے لکھتے ہیں کبھی ترک کر دیتے ہیں کبھی ادغام وغیر ادغام یہ تمام صورتیں جائز اور توسع پر دلالت کرتی ہیں۔[1]

سوال فاء کلمہ کو حرکت کیوں نہیں دیتے جس سے ابتداء بالسکون لازم نہ آئے اور ہمزہ وصل کی ضرورت بھی نہ پڑے؟

جواب آپ نے سوچا تو بہت صحیح لیکن ایسا نہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حرکات میں اگر فتحہ دیا جائے تو حالت وقف میں ماضی سے التباس لازم آئے گا اور اگر کسرہ دیا جائے تو مضموم العین میں کسرہ سے ضمہ کی طرف خروج لازم آئیگا اور اگر فاء کلمہ کو ضمہ دیں تو مکسور العین میں ضمہ سے کسرہ کی طرف نکلنا لازم آئیگا۔ باقی ابواب کو اسی طریقہ پر قیاس کریں۔[2]

سوال مضارع مکسور العین یا مفتوح العین جیسے اِضْرِبْ وَاِسْمَعْ میں ہمزہ وصل مکسور کیوں آتا ہے؟

جواب اس لئے کہ ہمزہ وصلی میں کسرہ اصل ہے لہٰذا ہمزہ وصل مکسور لاتے ہیں اور ایک جواب یہ بھی ہے کہ ہمزہ حرف واحد ہے اور حرف واحد میں ساکن

---

[1] لسان العرب جلد ۱ صـ ۲۰۴، تاج العروس جلد ۶ صـ ۴۰،۳۹ حاشیۂ زنجانی صـ ۳۳

[2] تبیان صـ ۴۰

اصل ہے اور ساکن کی اصل حرکت کسرہ ہے اس وجہ سے ہمزہ وصل مکسور ہوتا ہے[1] !

سوال اس کے باوجود پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ ساکن کو حرکت کسرہ ہی کیوں دی جاتی ہے ؟

جواب اس کے کئی جوابات ہیں۔ اول جواب : یہ ہے کہ سکون عدم حرکت کا نام اور کسرہ بھی عدم کے درجہ میں ہے کیونکہ کسرہ بعض معربات مثلاً فعل مضارع پر نہیں آتا اور اسم میں غیر منصرف پر نہیں آتا جس کی بنا، پر کسرہ کا عدم کے درجہ میں ہونا ظاہر ہے لہٰذا کسرہ اور ساکن میں مناسبت ہونے کی بنا، پر ساکن کو کسرہ کی حرکت دیتے ہیں۔ علامہ عبدالحیؒ کہتے ہیں کہ تفسیر بیضاوی کے بعض حاشیوں میں یہی تحقیق ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ فتحہ زیادہ خفیف اور ضمہ زیادہ ثقیل ہوتا ہے اور کسرہ معتدل و متوسط حرکت ہے۔ اس لئے خَيْرُ الْأُمُوْرِ أَوْسَاطُهَا کے موافق حرکتِ کسرہ کو اختیار کرلیا گیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں کسرہ کے علاوہ دوسری حرکات کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اگر ضمہ دیا جائے تو حالت وقف میں مضارع مفتوح العین مجہول سے التباس لازم آئے گا جیسے اُعْلَمْ وَاُصْنَعْ وغیرہ لہٰذا کسرہ ضرورت کی بنا پر لایا گیا۔ صاحب الحنفیہ مزید ایک جواب یہ پیش کرتے ہیں کہ جزم افعال اسماء میں جر ہونے کے مثل ہے اور جزم اخف ساکن۔ لہٰذا اخف جر کو حرکت دی گئی تاکہ دونوں کے درمیان تضاد میں تقابل ثابت ہوجائے[2] !

سوال مضارع مفتوح العین افعل میں ہمزہ وصل مفتوح کیوں نہیں لایا جاتا ہے ؟

جواب ہمزۂ وصل میں اصل کسرہ ہے لیکن اس کے ترک کرنے کی کوئی خاص وجہ نہ تھی اس لئے اس میں کوئی تغیر و تبدیلی نہیں کی گئی اور اپنی اصلی حالت

---

[1] الحنفیہ ص۹۵، فلاح ص۸، تبیان ص۴۰

[2] الحنفیہ ص۹۵، ۹۶، تبیان ص۴۰، زنجانی ص۳۳

پر چھوڑ دیا کیونکہ ہر امر کی اتباع لازم و ضروری نہیں! برائے ترک اصل کہ کسرہ ہمزہ وصل
برائے ترک اصل کہ کسرہ ہمزہ وصل است وجہے وجیہ[1] الخ

سوال جب ہمزہ وصل میں مکسور اصل ہے تو اُکْتُبْ وانصُری میں کسرہ کیوں نہیں دیا گیا؟

جواب اس کا جواب محشی زنجانی یہ لکھتے ہیں کہ مضارع کے عین کلمہ کی مناسبت سے ہمزہ وصل کو ضمہ دیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ضمہ کے علاوہ کوئی صورت ہی نہیں کیونکہ اگر ہمزہ وصل کو اصل کے مطابق کسرہ دیا جائے تو کسرہ سے ضمہ کی طرف خروج لازم آئے گا جو کہ باعث ثقل ہے۔ اور اگر فتحہ دیا جائے تو حالت وقف میں یا سامع کی حرکت لام سے غفلت کی بناء پر یا مقام تغیر ہونے کے باعث حرکتِ لام کو ظاہر نہ کرنے کی وجہ سے مضارع متکلم کے حروف اَنْصُرُ سے التباس لازم آئے گا۔ لہٰذا لامحالہ ہمزۂ وصل مضموم کرنا پڑا![2]

سوال اُکْتُبْ واُنْصُرْ میں خروج کسرہ الی الضمہ کس طرح لازم آئے گا جبکہ ہمزہ وصل اور مضموم العین کے درمیان کاف ساکن کا فاصلہ ہے۔ لہٰذا آپ کا جواب مسکت نہیں!

جواب معترض صاحب آپ نے جو کاف ساکن کا اعتبار کیا ہے اور اس کو دونوں کے مابین حد فاصل مانا ہے وہ خام خیالی اور کج فہمی ہے کیونکہ کلمہ ساکن بصریین کے نزدیک مابین فرق کے لئے مضبوط و قوی دیوار کی حیثیت نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ قِنْوَةٌ کے واؤ کو یاء کر کے قِنْيَةٌ کہا جاتا ہے حالانکہ واو اور کسرہ کے مابین حد فاصل نون ساکن موجود ہے پھر بھی واؤ کو یاء سے بدلا گیا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ واؤ ماقبل کسرہ کے درمیان کوئی ساکن ہوگا تو وہ کالمعدوم ہوگا اور اگر ساکن مانع بنتا تو اس واؤ کو یا سے نہیں بدلا جاتا جس سے معلوم ہوا کہ

---

[1] تبیان ص۱۲　[2] زنجانی ص۳۳، الحنفیہ ص۹۶، فلاح ص۸۱

حرف ساکن کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر اکتب وغیرہ میں ہمزہ وصل کو کسرہ دیتے ہیں تو اس صورت میں خروج کسرہ الی الضمہ لازم آتا ہے جو کہ ناپسندیدہ ہے۔[1]

سوال لفظ اَیْمُنْ جو یَمِیْن کی جمع قلت ہے اس کے الف کو کیوں فتحہ دیا گیا جبکہ ہمزۂ وصل میں مکسور اصل ہے؟

جواب اَیْمُنْ میں ہمزہ وصلی نہیں ہے بلکہ ہمزۂ قطعی ہے اس کو تلفظاً ہمزہ وصلی کے حکم میں کر لیا گیا اور کثرت استعمال کی بناء پر بنظر خفت فتحہ کی حرکت دی گئی۔ صاحب الحنفیہ لکھتے ہیں کہ یہ کوفیین کا عندیہ ہے جو کہ ضعیف ہے کیونکہ کلامِ عرب میں ہمزۂ قطعی کو وصلی نہیں بنایا جاتا۔ اس امر میں بصریین کا موقف یہ ہے کہ اَیْمُنْ اَفْعُل کے وزن پر مفرد کا صیغہ ہے جیسے اُجُرٌ وَ اُنُكٌ اہلِ عرب اس پر تینوں حرکات جاری کرتے ہیں مگر اصل کسرہ ہے کیونکہ یہ ہمزہ وصلی ہے ورنہ لکھنے میں ساقط نہیں ہوتا۔ امام سیبویہ اس کو برکت کے معنی میں لیتے ہیں اور جب بطور قسم اَیْمُنُ اللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا استعمال کرتے ہیں تو گویا یہ کہتے ہیں: بِبَرَکَۃِ اللّٰہِ قَسَمِیْ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا کوفیین بصریین کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ واحد کے وزن پر اَیْمُنْ نہیں آتا۔ رہی بات اُجُرٌ اور اُنُكٌ تو دونوں عجمی لفظ ہیں نیز اَفْعُل کے وزن پر قرار دینا فَاعِلٌ سے بہتر نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا ہمزۂ قطعی ہے۔ کثرت استعمال کی بناء پر کتابتہً ساقط ہو جاتا ہے ذَهَبَ الْکُوْفِیُّوْنَ عَلٰی اَنَّهٗ جَمْعُ یَمِیْنٍ لِاَنَّهٗ لَمْ یَجِئْ عَلٰی زِنَۃِ وَاحِدَۃٍ الخ[2]

سوال الف تعریف (معرف باللام کا الف) ہمزہ وصل ہونے کے باوجود فتحہ کیوں دیا گیا جبکہ ہمزہ وصل میں کسرہ اصل ہے؟

---

[1] الحنفیہ ص۹۶، حاشیۂ زنجانی ص۳۳، فلاح ص۸۱ مراح وعزی ص۹

[2] النظر الحنفیہ ص۹۷، تبیان ص۴۱، فلاح ص۸۲، مراح وعزی ص۹ تا ۱۰

جواب کثرت استعمال ہونے کی بنا، پر جو کہ موجب تخفیف ہے[1]!

آلۂ تعریف میں نحویوں کا اختلاف

سوال معرف باللام کی بحث آگئی تو اس سلسلہ میں نحات کے مذاہب مع دلائل تحریر فرمائیں؟

مبرد نحوی کا مسلک

جواب آلۂ تعریف یعنی حرف تعریف میں نحویین کے مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ امام مبرد نحوی کتابُ الشافی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آلۂ تعریف صرف ہمزہ مفتوحہ ہے لام اس میں ملا دیا گیا تاکہ ہمزہ تعریف وہمزہ استفہام میں اشتباہ نہ لازم آئے[2]

خلیل نحوی کا مسلک

امام سیبویہ کے استاذ فن عروض کے موجد خلیل نحوی فراہیدی کا عندیہ ومسلک یہ ہے کہ آلۂ تعریف ہمزہ اور لام دونوں ہیں جیسے حرف استفہام کے ھل میں دو حرف ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جب آلۂ تعریف آتا ہے تو الف اور لام ساتھ آتا ہے ان میں سے کوئی فرداً مستعمل نہیں ہوتا جیسے الکتاب وغیرہ مگر اس کے نزدیک ہمزہ کی اصل ہمزہ قطعی ہونا ہے جو ان کے نزدیک کثرت استعمال کے باعث بغرض تخفیف کتابتہً حذف بھی کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمزہ قطعی کے استشہاد میں عبید بن الابرص کے اشعار پیش کرتے ہیں:

---

[1] فلاح ص۸۳، الحنفیہ ص۹۷، تبیان ص۴۱

[2] شرح رضی جلد۲ ص۱۳۱، فلاح ص۸۳

يَا خَلِيلَيَّ ارْبَعَا وَسْتَخْبِرَا الْ
مَنْزِلَ الدَّارِسَ عَنْ اَهْلِ الْحِلَالِ
مِثْلُ سَحْقِ الْبُرْدِ عَفَّى بَعْدَكَ الْ
قَطْرُ مَغْنَاهُ وَتَاوِيبُ الشَّمَالِ

مذکورہ شعر بحر رمل سے متعلق ہے اور پہلے مصرعہ میں لام فَاعِلُنْ کے نون کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر صرف لام آلۂ تعریف ہوتا تو مابعد سے فصل جائز نہ ہوتا بالخصوص ساکن کے وقت۔[1]

امام سیبویہ کا مسلک

امام سیبویہ کا مسلک یہ ہے کہ آلۂ تعریف صرف لام ہے اور ہمزہ وصلی مفتوح ہے جو اصل کے اعتبار سے کسرہ ہونا چاہئے لیکن کثرت استعمال کی بناء پر ہمزہ کو فتحہ دیا گیا۔ اپنے مسلک کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عامل ضعیف الف لام سے مقدم ہونے میں تجاوز کر جاتا ہے جیسے بِالرَّجُلِ اس میں الف لام سے پہلے ہی عامل آگیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ الف صرف ایک دوسرے کلمہ سے وابستہ کرنے کے لئے آتا ہے اگر حرف تعریف دونوں حروف ہوتے تو اولاً اس کی مستقل قسم ہوتی اور عامل ضعیف نہ کرتا لیکن امام سیبویہ کی اس دلیل پر اَنْ لَا تَفْعَلَ جیسے قول سے اعتراض پڑتا ہے کہ یہاں عامل ان دو حرفوں سے مرکب ہے۔ اس کے باوجود لام تعریف سے سبقت کر رہا ہے۔ اس کا جواب محشی رضی یہ دیتے ہیں کہ یہ عامل قوی ہے کیونکہ یہ واحد عامل (اِنْ) سے شرط و جزا دونوں کو جزم دیتا ہے۔ یہی رائے اکثر بصریین و کوفیین کی ہے۔[2]

---

[1] شرح المفصل جزء ۹ ص ۱۷، شرح رضی جلد ۲ ص ۱۲۱ بیروت　[2] شرح المفصل جزء ۹ ص ۱۷ قاہرہ شرح رضی جلد ۲، ص ۱۳۰، فلاح ص ۸۳، حاشیہ مراح ص ۶۲

آلۂ تعریف میم

سوال آلۂ تعریف میں کیا الف میم بھی آتا ہے؟

جواب شیخ رضی لکھتے ہیں کہ قبیلۂ حمیر اور بنی طے کے ایک نفر کی لغت لام تعریف سے میم کو بدلنا ثابت ہے جیسے النمر بن تولب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: لَیْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِیَامُ فِی امْسَفَرِ (الحدیث) اس میں الف لام کے بجائے میم ہے جس کی اصل لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ ہے[1]۔

سوال قاعدہ ہے کہ مضارع کا عین کلمہ مکسور ہو تو ہمزہ وصل مکسور ہوگا تو پھر اَکْرِمْ میں ہمزہ مفتوح کیوں ہے؟

جواب کالے سب باپ کے سالے والا حال آپ نے کر دیا۔ اس میں ہمزہ وصلی نہیں ہے بلکہ قطعی ہے۔ جو تُکْرِمُ سے بنا ہے اصل میں تُأَکْرِمُ تھا ہمزہ حذف کر دیا گیا لیکن صیغۂ امر میں علت حذف باقی نہ رہی اس لئے امر میں وہ ہمزہ عود کر گیا بخلاف مضارع تُأَکْرِمُ میں کہ اس کے اندر علت حذف موجود ہے[2]!

سوال تُأَکْرِمُ سے الف کیوں حذف کیا گیا؟

جواب اُأَکْرِمُ صیغہ واحد متکلم میں اجتماع ہمزتین کے سبب ایک ہمزہ کو حذف کر دیا پھر باب کی مطابقت کے لئے تُکْرِمُ یُکْرِمُ نُکْرِمُ جیسے تمام صیغوں سے الف کو حذف کر دیا[3]!

---

[1] شرح رضی جلد ۲ ص ۱۳۱، شرح شافیہ جلد ۲ ص ۱۶۱، حاشیۂ زنجانی ص ۳۳

[2] الخفیہ ص ۹۷، فلاح ص ۸۳ تبیان ص ۴۱ مراح وعزی ص ۱۰

[3] تبیان ص ۴۱، فلاح ص ۸۴، حاشیۂ زنجانی ص ۳۴، مراح وعزی ص ۱۰

شَیْخٌ عَلٰی کُرْسِیِّہٖ مُتَعَمِّمًا

سوال فَاِنَّہٗ اَھْلٌ لِاَنْ یُؤَکْرَمَا جیسے شعر میں یُؤَکْرَم کا ہمزہ کیوں نہیں حذف ہوا؟

ترجمہ: شیخ دستار بستہ اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہیں۔ لہٰذا وہ اعزاز واکرام کئے جانے کے قابل ہیں۔

جواب اس کا جواب محشیٔ زنجانی و علامہ احمد بن سلیمان لکھتے ہیں کہ یہ ضرورت شعری کی بنا، پر ہے[1]!

سوال جب تُکْرِمُ سے صیغہ امر بناتے وقت تاء کو حذف کر کے ہمزہ وصل واپس لایا گیا تو تَعِدُ کے صیغۂ امر میں واؤ کیوں نہیں عود کرتا؟

جواب اس کا جواب شیخ ابن کمال پاشا وغیرہ لکھتے ہیں کہ "عِدْ" میں اگر واؤ کو واپس کیا گیا تو ساکن ہونے کے باعث ہمزہ وصل کی ضرورت پڑنے کی بنا، پر اَوْعِدْ ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کی اصل مضارع کی رعایت کی وجہ سے مضارع کی تعلیل ہوگی۔ لہٰذا اس کا لانا ضائع ہوگا لَوْاُعِیْدَ لَاُعِلَّ بِالْحَذْفِ اِعْلَالًا[2] الخ

سوال مثلاً اِعْلَمْ صیغہ امر سے ہمزہ وصل کتابتہً کیوں نہیں حذف ہوتا؟

جواب تاکہ مخفف صیغہ امر کا مشدد صیغۂ امر عَلِّمْ سے التباس نہ لازم آئے حَتّٰی لَایَلْتَبِسَ الْاَمْرُ مِنْ بَابِ عَلِمَ بِالتَّخْفِیْفِ[3] الخ

سوال یہ التباس تو اعراب سے ختم ہو سکتا تھا؟

---

[1] فلاح ص۸۴، حاشیہ زنجانی ص۳۴، حاشیہ مراح ص۶۴

[2] فلاح ص۸۴، تبیان ص۴۱ حاشیہ مراح ص۶۴ ہند پریس دہلی [3] ایضاً

جواب کبھی اعراب چھوڑ دیا جاتا ہے بلکہ بلغاء و فضلا، با اعراب کلام کو معیوب سمجھتے ہیں اسی وجہ سے عُمَر بضم عین اور عَمْرو بِفَتْحِ عَیْنِ وَسُکُوْنِ مِیم کے مابین فرق پیدا کرنے کے لئے عمرو بالفتح میں واؤ کا اضافہ کیا گیا اگر دفع التباس کے لئے حرکت ہی کافی ہوتی تو اس فرق کی چنداں ضرورت نہ تھی[1]

سوال عمرو بفتح العین وسکون میم میں ہی واؤ کیوں زائد کیا اس کے برعکس عمر بالضم میں کیوں نہیں ؟

جواب عمرو خفیف ہے اس لئے کہ پہلا حرف مفتوح ہے اس کے بعد ساکن۔ لہٰذا واؤ کی زیادتی اس میں موجب ثقل نہیں ہے بخلاف عمر بضم العین کے کہ اس کا عین مضموم اور اس کے بعد متحرک بالفتح جو کہ ثقالت کا باعث ہے لہٰذا ثقالت سے بچنے کے لئے اس میں اضافہ نہیں کیا گیا نیز عمرو میں واؤ صرف بحالت رفع و جر آئیگا حالت نصب میں واؤ نہیں آئے گا کیونکہ الف بالتنوین سے فرق ہو جائیگا اس لئے کہ عمر بالضم غیر منصرف ہونے کی وجہ سے الف بالتنوین اس پر داخل نہیں ہوگا![2]

ہمزہ حرکت ہے یا حرف

اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ ہمزہ حرکت ہے یا حرف۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمزہ حرکت ہے حرف نہیں کیونکہ اگر حرف ہوتا تو رسم الخط میں کوئی معین صورت ہوتی حالانکہ اس کی معین صورت رسم الخط میں نہیں ملتی مگر اکثر حضرات ہمزہ کے حرف ہونے کے قائل ہیں اس لئے کہ یہ کبھی ساکن بھی ہوتا ہے۔ اب اگر اس کو حرکت میں شامل کیا جائے تو حرکت و سکون کا اجتماع نقیضین لازم آئیگا۔

---

[1] تبیان صا۴ حاشیۂ زنجانی ص۳۳، الحنفیہ ص۹۸، فلاح ص۸۴۔ مراح الارواح ص۶۵

[2] دیکھئے الحنفیہ ص۹۸، تبیان صا۴۱ فلاح ص۸۵ حاشیہ مراح ص۶۵ دہلی

علامہ عبدالحئی فریق اول کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر حرف کے لئے صورت معینہ کا ہونا مسلم نہیں یہ اور بات ہے کہ اکثر حروف کی صورت معین ہے۔[1]

راقمُ الحُروف کی رائے

راقم الحروف کہتا ہیکہ فریق اوّل پر علامہ عبدالحئی کا نقد دعویٰ بلادلیل کی طرح ہے۔ جو زیادہ مستحکم نہیں۔ ہارون ثاقب

سوال جب مسلّم قاعدہ ہے کہ ہمزہ وصل رسم الخط میں ساقط نہیں ہوتا تو پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اسم کا ہمزہ کیوں ساقط ہو گیا؟

جواب کثرت استعمال کی بناء پر حذف ہو گیا کیونکہ ہر کام میں تبرّکًا اور اقتداءً بالقرآن والحدیث اس کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کثرت استعمال تلفظ کے حق میں ہوتا ہے جو حذف کے منافی نہیں۔[2]

بسم اللہ میں طول باء کی وجہ

بسم اللہ میں طویل باء لکھنے کی کئی وجوہات ہیں چنانچہ ابن کمال پاشا لکھتے ہیں کہ طول باعوض ہمزہ محذوفہ پر دلالت کرنے کے لئے باء کو دراز کرتے ہیں۔ قتیبی کہتے ہیں کہ بسم اللہ میں طویل باء کی وجہ کتابت یہ ہے کہ کتاب اللہ کی ابتداء ایک معظم اور بڑے حرف سے ہو۔ دوسری وجہ حسن چلپی صاحب حاشیۃ المطول کشاف کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز (ایک بزرگ ہیں) کے حکم کی تابعداری میں طویل باء لکھتے ہیں کیونکہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کاتبین سے یہ حکم عام کئے:

طَوِّلُوا الْبَاءَ وَاظْهِرُوا السِّيْنَ وَدَوِّرُوا الْمِيْمَ تَعْظِيْمًا لِكِتَابِ اللهِ یعنی باء کو دراز کرو اور سین کو ظاہر کرو اور میم کو گول کر کے لکھو۔

---

[1] تبیان ص۴۲،۴۱ [2] الحنفیہ ص۹۹ فلاح ص۸۵ حاشیہ مراح ص۹۵ ہند پریس دہلی مراح و عزی ص۱۰ تفسیر البغوی جلد۱ ص۱۱ [3] حاشیۃ المطول ص۲۳۸، فلاح ص۸۵ کوکب المنیر ص۱۲ تفسیر رازی جز۱ ص۱۰۶، الکشاف جلد۱ ص۵ الہدیۃ المختاریہ ص۴ تفسیر البغوی جلد۱ ص۱۱

بِسم اللہ کی "با" مکسور ہونے کی وجہ

بسم اللہ کی بابت یہاں اجمالی بحث چل گئی اس لئے شائقین حضرات کے پیش نظر با، کے مکسور ہونے کی وجہ بھی لکھدی جارہی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں محمّد بن مصلح الدّین معروف بہ شیخ زادہ وامام ابوسعود وغیرہ مفصل کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ با، حروف معانی (مفردہ) میں سے ہے۔ لہٰذا اس کو مبنی علی السکون ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن ابتداء بالسکون کے متعذر ہونے کی وجہ سے حرکت دی گئی تو اخف الحرکات فتحہ ہونا چاہیئے جوکہ سکون کے مناسب ہے مگر فتحہ نہ دیکر حرکت کسرہ کے اختیار کرنے کی دو۲ وجہیں ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ سکون عدم حرکت کا نام ہے اور کسرہ بھی قلت استعمال کی وجہ سے عدم کے درجہ میں ہے کیونکہ کسرہ افعال پر نہیں آتا اور نہ ہی غیر منصرف پر اس لئے کسرہ اور سکون میں مناسبت باقی رہی دوسری وجہ یہ ہے کہ با، حروف جارہ میں سے ہے۔ لہٰذا جار کا اثر مجرور کی موافقت کے لئے با، کو بھی کسرہ دیدیا۔[1]

رحمٰن میں میم کے بعد الف نہ لکھنا

رحمٰن کے میم کے بعد الف نہیں لکھتے بلکہ کھڑا زبر لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمان الف کے ساتھ یمامہ کے مسیلمہ کذّاب کا نام تھا جس ملعون نے دعوٰی نبوّت کیا تھا۔ لہٰذا اللہ کی صفت اور اس ملعون کے نام کے درمیان فرق کرنے کے لئے میم کے بعد الف نہیں لکھا جاتا۔ واللہ اعلم[2]

---

[1] شیخ زادہ جلد ۱ ص ۱۷۔ الکشاف جلد ۱ ص ۵۔ تفسیر ابی السعود جز ۱ ص ۹ حاشیہ بیضاوی ص ۲

[2] کوکب المنیر ص ۱۶

دلچسپ بحث

سوال اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الآیۃ میں اسم کا ہمزہ وصل کیوں نہیں حذف ہوا؟

جواب آپ نے بھی خوب تعاقب کی سعی کی ہے لیکن ناکامی ملی۔ یہاں عدم حذف ہمزہ وصل کی علّت قلّت استعمال ہے کیونکہ اس کا استعمال یا تو قاریٔ قرآن کرے گا یا تو اس کی کتابت کے وقت اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بہ نسبت ان دونوں (قرأت و کتابت قرآن) کی قلت استعمال میں کوئی شبہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حذف ہمزہ کی علت کثرت استعمال ہے جو اسمیں نہیں[1]!

سوال ہمزۂ وصل کے حذف کا معیار آپ نے کثرت استعمال بتایا ہے حالانکہ کثرت استعمال حذف کو مستلزم نہیں۔ چنانچہ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ سلیمان علیہ السلام کا مقولہ ہے جو کہ عدم کثرت استعمال کے باوجود ہمزہ حذف ہے۔؟

جواب معترض صاحب فوری طور پر آپ کے اشکال سے پانی پانی ہو گیا تھا اور پسینہ سے شرابور لیکن کچھ دیر توقف کے بعد فکر کی گہرائی و گیرائی میں گیا جس کی بنا پر آپ کا ظاہراً لاینحل اشکال بے حیثیت کی رُخ اختیار کر گیا جس کا جواب یہ ہے کہ اسمیں حذف ہمزہ مصحف شریف کے تسمیہ کی موافقت کیلئے ہے[2]!

سوال مصنف صاحب آپ نے تو واقعی ہمارے اشکال کو ہباءً

---

[1] الحنفیہ ص۹۹، فلاح ص۸۵ حاشیہ مراح الارواح ص۶۵ ہندو پریس مراح و عزی ص۱۰ الہدیۃ المختاریہ ص۴ تفسیر البغوی جلد ۱ ص۱۱ [2] الحنفیہ ص۹۹ حاشیہ مراح ص۶۵

منثورا بنا دیا لیکن یہ بتائیے کہ موافقت کے سبب اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں کیوں نہیں حذف کیا؟

جواب معترض صاحب آپ تو بالکل ہمارے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ایک قدم چلتے ہیں تو دوسرا قدم لرزنے لگتا ہے خیر ثابت قدمی کو اپناتے ہوئے آپ کا جواب یہ ہے کہ موافقت کا التزام مکمل تسمیہ میں ہے اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ تسمیہ غیر تامہ ہے لہٰذا مکمل کا آدھے سے کیا موافقت ہوگی! [1]

سوال اس مرتبہ آپ دلدل میں پھنس گئے جس سے نکلنا نہایت ہی ناممکن ہوگا وہ یہ ہے کہ آپ کی بات سے معلوم ہوا کہ تسمیہ غیر تامہ میں حذف نہیں ہوتا تو پھر بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا میں کیوں حذف کیا ہے جبکہ تسمیہ غیر تامہ ہے؟

جواب معترض صاحب واقعی آپ نے پھنسانے کے تمام حربے استعمال کر ڈالے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو تحقیق کا ہیضہ ہے تاہم بفضل خداوندی اور اساتذہ کی دُعا نیم شبی اور اپنی کتب بینی سے اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر حذف ہمزہ کثرت استعمال کی بناء پر ہے کیونکہ ہر کشتی کا مسافر بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا کا ورد کرتا ہے اور لوگ اس کو سامان میں بھی لکھتے ہیں۔ چنانچہ صاحب الحنفیہ تحریر کرتے ہیں: حُذِفَتِ الْهَمْزَةُ لِكَثْرَةِ الْاِسْتِعْمَالِ لِاَنَّ الَّذِيْنَ يَرْكَبُوْنَ السَّفِيْنَةَ .... وَيَكْتُبُوْنَ فِيْ مَتَاعٍ [2]

سوال ہمزہ وصل پر مزید محقق و مفصل گفتگو فرمائیں؟

---

[1] الحنفیہ صہ ۹۹ حاشیہ مراح صہ ۶۵ ہندو پریس دہلی

[2] الحنفیہ صہ ۹۹ حاشیہ مراح صہ ۶۵ ہندو پریس دہلی۔

جواب آپ جانتے ہیں کہ ابتداء بالسکون سے بچنے کے لئے ہمزہ زائدہ لایا جاتا ہے جس کو اصطلاح میں ہمزہ وصل سے تعبیر کیا جاتا ہے علامہ سعید حسن کمال رقمطراز ہیں کہ قیاسًا افعال میں ثلاثی کے فعل امر میں آتا ہے جیسے اِسْمَعْ اور فعل خماسی وسداسی کے صیغہ ماضی امر اور دونوں کے مصدر میں بھی آتا ہے۔ جیسے اِفْتَتَحَ، اِفْتَتِحْ، اِفْتِتَاح، اِسْتَغْفَرَ، اِسْتَغْفِرْ، اِسْتِغْفَار اسی کو سید احمد ہاشمی لکھتے ہیں: بِالْاِسْتِقْرَاءِ وُجِدَ اَنَّهَا تَكُوْنُ قِيَاسِيَّةً فِىْ مَاضِى الْخُمَاسِىْ وَالسُّدَاسِىْ وَاَمْرِهِمَا وَمَصْدَرِهِمَا[1] الخ

سوال آپ نے تو ہمزہ وصل کے مواضع فعل کو قیاسًا وسماعًا بتایا مواضع اسم کیا ہیں؟

جواب معترض صاحب آپ نے شروع سے مطالعہ نہیں کیا یہ بات ہمزۂ وصل کی ابتدائی بحث میں آچکی ہے[2]۔

ہمزہ وصل کے مواضع حذف

سوال آپ یہ بھی بتلاتے چلیں کہ ہمزہ وصل کب حذف کیا جائیگا؟

جواب اس کے متعلق صاحب الامالی کی تحقیقات کا ماحصل پیش کرنا ہوگا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حسب ذیل مواضع میں ہمزہ وصل محذوف ہوگا۔

(۱) جب معرف باللام اسماء پر لام جر یا لام ابتداء داخل ہو جیسے لِلنَّاسِ مَآرِبُ، وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى لِلرَّابِعِ تاکہ لا، نفی سے التباس نہ ہوجائے۔

---

[1] الامالی ص۸۵ قاہرہ القواعد الاساسیہ ص۲۳ بیروت

[2] للتفصیل الامالی ص۸۵ ۔ القواعد الاساسیہ ص۲۳ بیروت

(۲) جبکہ ہمزہ وصل واؤ یا فاء کے بعد واقع ہو بشرطیکہ وہ ہمزہ فاء کلمہ ہو تو اس صورت میں ہمزۂ وصل حذف کر کے الف پر ہمزہ ساکنہ لکھا جائیگا۔ جیسے فَاتِ ، وَاْمُرْ اَهْلَكَ۔

(۳) ہمزۂ وصل پر ہمزہ استفہام داخل ہو جیسے اِسْمُكَ مُحَمَّدٌ اَمْ عَلِیٌّ، اِصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہمزہ وصل کو الف لام اور ابن میں مد سے بھی بدل دیتے ہیں۔ جیسے آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ آبْنُكَ هٰذَا۔

(۴) جبکہ معرف باللام اسماء پر باء یا کاف ۔ فاء داخل ہو اس صورت میں ہمزہ بشکل الف تلفظاً حذف ہوگا لیکن رسم الخط میں برقرار رہے گا۔ جیسے بِاللّٰهِ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ، كَالصَّفْحَةِ، فَالْكِتَابُ۔

(۵) بسملہ تامہ کے اسم میں جبکہ باء کا متعلق مذکور ہو جیسے اِبْتَدِرْ بِسْمِ اللّٰهِ![1]

ابن وابنتہ کا ہمزہ

سوال ابن وابنتہ کے ہمزہ کا کیا قاعدہ ہے اس کا الف کس وقت حذف ہوگا؟

جواب آپ کا مطلوبہ جواب بہت قیمتی ہے اور تفصیل طلب ہے ابن وابنتہ کا ہمزہ وصل درج ذیل شرائط پر محذوف ہوگا۔

الف: جبکہ دونوں میں سے ہر ایک منفرد واقع ہو۔

ب: شروع سطر میں نہ ہو۔

ج: وزن (شعری) کے لئے ہمزہ قطعی نہ کیا گیا ہو۔

د: غیر مقطوع کی صفت واقع ہو۔

---

[1] فانظر الامالی ص ۸۶، ۱۰۲ قاہرہ

ھ : دو علم کے درمیان واقع ہو۔

و: ان میں سے دوسرا عَلَم اَب کی حیثیت رکھتا ہو تشہیرا ہی سہی اس صورت میں ۲دو اسم علم واحد میں شامل ہوں گے : وغیرہ۔

جیسے اُذِنَ ابن الخطاب لعمرو بن العاص، عبداللہ بن مکتوم شیخ وقت علامۃ الدہر علامہ انور شاہ الکشمیریؒ "العرف الشذی" میں لفظ ابن کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب لفظ ابن دو عَلَم کے درمیان واقع ہو تو اوّل علم سے تنوین ساقط ہو جائے گی اور ابن کا ہمزہ بھی کتابتہً ساقط ہو جائیگا اسی طرح جب لفظ ابن جب ابتداءِ سطر میں ہو تو ہمزہ حذف نہیں ہوگا۔ لَفْظُ الْاِبْنِ اِذَا وَقَعَ بَيْنَ الْعَلَمَيْنِ الْمُتَنَاسِقَيْنِ الخ[1]

سوال علّامہ کشمیری کا قول کلام خداوندی عیسٰی ابن مریم وعزیر بن اللہ کے خلاف ہے کیوں ابن کا ہمزہ ساقط نہیں ہوا ؟

جواب آپ کی بات بالکل درست ہے لیکن اس سلسلہ میں علّامہ محمود صافی شیخ العیکری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ رسم قرانی میں "ابن" کا الف ثابت رکھنا بھی اس اعتبار سے خبر مقصود ہوتی ہے نہ کہ صفت۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شرائط حذف میں بیان ہوا کہ دو علم کے درمیان واقع ہو تو دوسرا علم اَبْ کی حیثیت رکھتا ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔ لہٰذا حذف نہ کرکے برقرار رکھا جائیگا۔ اِنَّ اِثْبَاتَ الْاَلِفِ فِي ابْنِ مَرْيَمَ فِي الرَّسْمِ الْقُرْاٰنِيْ[2]

اسی کو صاحب درس ترمذی ابن قتیبہ کے حوالہ سے یوں لکھتے ہیں کہ ابن کا ہمزہ اس وقت حذف ہوگا جب ۲دو تناسل علموں کے درمیان واقع ہو اور لفظ ابن پہلے عَلَم کی صفت ہو اور مفرد ہو اور اگر خبر ہو تو الف ثابت رکھا جائیگا۔ چنانچہ مصحف شریف میں عزیر ابن اللہ یہ خبر ہے اس لئے ابن کا الف حذف نہیں ہوگا۔ وَفِي الْمُصْحَفِ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ بْنُ اللهِ.... لِاَنَّهٗ خَبَرٌ[3]

---

[1] الامالی ص۱۰۳، قاہرہ العرف الشذی ص۲ [2] درس ترمذی جلد۱ ص۱۵۲، اعراب القرآن جز۳ ص۱۸۰

ہمزہ قطعی کے نکات

سوال ہمزہ قطعی کو ہمزہ قطعی کیوں کہتے ہیں؟

جواب چونکہ یہ ہمزہ اسی طرح ثابت وقائم رہتا ہے جس طرح اسکا وقوع ہوتا ہے یعنی درج میں ساقط نہیں ہوتا بلکہ لفظاً اس کا ماقبل اپنے مابعد سے منقطع ہو جاتا ہے۔ علامہ سعید حسن کمال لکھتے ہیں کہ ہمزہ قطعی وہ ہمزہ ہے جس کا تلفظ ابتداءِ کلام اور وسط کلام میں بھی ہو اور یہ ہمزہ الف پر ہوگا جبکہ الف مضموم یا مفتوح ہو جیسے أکرم اور الف کے نیچے کسرہ ہو تو ہمزہ قطعی تحت الالف ہوگا۔ جیسے اِنسان[1]۔

سوال ہمزہ قطعی کے مواضع ومقامات کیا ہیں؟

جواب اس کے متعلق صاحب الامالی لکھتے ہیں کہ:

(۱) ہر وہ اسماء جن کے شروع میں ہمزہ ہو سوائے ان اسماء کے جن کا تذکرہ ہمزہ وصل میں آچکا ہے۔

(۲) ثلاثی ورباعی کے وہ افعال ماضیہ جن کے شروع میں ہمزہ ہو جیسے اَخَذَ اَقْبَلَ اَخْفٰی۔

(۳) افعال مضارع کے ہمزے جیسے اَنْظُرُ۔ اَکْتُبُ، أَسْتَرِیْحُ

(۴) رباعی کے فعل امر کا ہمزہ جیسے اَقْبِلْ۔ أَکْرِمْ۔

(۵) وہ تمام حروف جن کے شروع میں ہمزہ ہو۔ سوائے الف لام کے۔[2]

---

[1] القواعد الاساسیہ ص۳۳، الامالی ص۸۷ زنجانی ص۳۳

[2] الامالی ص۸۷

امرِ حاضر با نون ثقیلہ کے نکات

سوال اِفْعَلَنَّ صیغہ واحد مذکر حاضر میں لام کو کیوں حرکت دی گئی جبکہ ساکن کا تقاضا تھا؟

جواب تاکہ کلمہ لام اور نون مدغم کے مابین اجتماع ساکنین لازم نہ آئے۔[1]

سوال جب حرکت مقصود تھی تو فتحہ کی تخصیص کیسی؟

جواب نون ثقیلہ کی ثقالت اور فتحہ کی خفت ملحوظ رکھا تاکہ باہم اعتدال پیدا ہو جائے![2]

سوال اِفْعَلُنَّ صیغہ جمع مذکر حاضر سے واؤ اور اِفْعَلِنَّ واحد مونث حاضر سے یاء کو کیوں حذف کر دیا؟

جواب تاکہ واؤ اور یاء دونوں مدغم میں اجتماع ساکنین لازم نہ آئے۔[2]

سوال اِفْعَلَانِّ صیغہ تثنیہ میں الف کیوں نہیں حذف ہوا جبکہ الف و نون مدغم میں اجتماع ساکنین ہو رہا ہے؟

جواب آپ کی گرفت تو صحیح ہے لیکن آپ نے آگے پیچھے نہیں دیکھا کیونکہ اگر ایسا کیا جائے تو واحد کے ساتھ اشتباہ ہوگا۔

سوال آپ نے اشتباہ کیسے ثابت کر دیا جبکہ تثنیہ میں نون تاکید مکسور ہوتا ہے اور واحد میں مفتوح پر التباس کیسا؟

جواب علامہ عبدالحئی اس کے کئی جوابات دیتے ہیں۔ اوّل جواب یہ ہے کہ کتابت میں التباس برقرار رہے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ خفت کے

---

[1] تبیان ص۴۵ [2] تبیان ص۴۵

واسطے نون میں اصل فتحہ ہے اور تثنیہ میں نون ثقیلہ کو الف کے بعد واقع ہونے میں نون تثنیہ کی مشابہت کے باعث کسرہ دیا۔ لہٰذا جب الف حذف ہوگا تو کسرہ بھی حذف ہو جائے گا جو کہ واحد سے التباس کا موجب ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ الف تثنیہ متصل ہونے کی بناء پر لفظاً و معناً بمنزلہ اجزاء کلمہ ہوا اور کلمۂ نون بھی شدّت اتصال رکھتا ہے اس لئے اِفْعَلاَنِّ کلمہ واحدہ کے حکم میں ہوا اور اس کا تلفظ واحد کے مرتبہ میں ہوگا اور چونکہ ساکن اوّل مدہ اور ساکن ثانی مدغم کا اجتماع کلمۂ واحدہ میں درست ہے۔ علامہ عبدالحیٔ کا اوّل جواب مخدوش ہے۔ کیونکہ صیغہ واحد مذکر حاضر و جمع مذکر حاضر میں بھی کتابۃً التباس موجود ہے[1]!

سوال آپ مجھے بہت سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور کسی حد تک مطمئن بھی ہو گیا تھا لیکن وہ جواب تسلی بخش نہیں کیونکہ یہ بتائیے کہ جمع مذکر حاضر اِفْعَلُنَّ میں اتصال واؤ اور اِفْعَلِنَّ واحد مؤنث حاضر میں اتصال یاءِ تثنیہ میں اتصال الف کی طرح ہے اور اجتماع ساکنین علی حدّہٖ بھی ہے لہٰذا واؤ اور یاء کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے کیوں حذف کر دیا؟

جواب چونکہ جمع مذکر حاضر اور واحد مؤنث حاضر میں دخولِ نون خفیفہ سے واؤ اور یاء اجتماع ساکنین علی غیر حدّہٖ لازم آنے کے سبب بالاتفاق حذف کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا نون ثقیلہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے اور الف کے بعد چونکہ نون خفیفہ نہیں آتا ہے اس لئے اس باب میں خفیفہ پر قیاس نہ کرکے تثنیہ میں الف قبل النون مسلم رکھا جائے گا[2]۔

[1] تبیان ص۴۵ تا ۴۶ [2] تبیان ص۴۶

امرِ غائب معروف کے نکات

سوال امر میں بحث حاضر و بحث غائب کو علیحدہ علیحدہ کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟

جواب آپ کی بات تو درست ہے کہ اس صورت میں کاغذ بھی زیادہ خرچ ہوتا ہے لیکن اس میں حکمت یہ ہے کہ صیغۂ امرِ حاضر معروف میں مضارع سے تغیر تام بخلاف صیغۂ غائب معروف کے کہ اس میں تغیر ناقص ہوتا ہے تو دونوں میں چونکہ فرق ہے اس لئے دونوں کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے[1]۔

سوال امرِ غائب میں متکلم کے دونوں صیغوں کو کیوں ذکر کیا جبکہ امرِ حاضر میں نہیں؟

جواب اس لئے کہ امرِ غائب اور متکلم کے بتانے کا طریقہ ایک ہے لہٰذا ایک ہی بحث میں اس کو ذکر کر دیا۔

سوال اچھا یہ بتائیے کہ امرِ غائب میں لام زائد کیوں آتا ہے؟

جواب تاکہ اوّل وہلہ مضارع اور امر کے مابین فرق واضح ہو جائے۔

لِیَحْصُلَ الْفَرْقُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْمُضَارِعِ الخ[2]

جواب زیادتی کے لئے حروف زوائد بہت تھے لام کی تخصیص کیونکر ہوئی؟

جواب حروف زوائد تو بہت ہیں لیکن تخصیص لام کی وجہ یہ ہے کہ

---

[1] تبیان ص۴۵ [2] حاشیہ زنجانی ص۲۹ فلاح ص۷۷ حاشیہ مراح ص۶۰

کلمہ لام وسط مخارج سے ادا ہوتا ہے اور غائب بھی متکلم ومخاطب کے درمیان متوسط کی حیثیت رکھتا ہے اسی مناسبت سے لام کی زیادتی ہوئی اور بعض حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ لام وسط مخارج میں سے ہے اور امر بھی آمر ومامور کے درمیان ہوتا ہے اور یہ بھی جواب دیا جاتا ہے کہ حروفِ زوائد میں کلمہ لام وسط مخارج ہے۔ چنانچہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا کے تحت لام اختیار کر لیا گیا![1]

سوال امر غائب میں زیادتی کے لئے تو حرف علت زیادہ اولیٰ تھا اس کے باوجود اس میں سے کیوں نہیں لیا؟

جواب آپ کی بات دور اندیشی پر مبنی نہیں ہے کیونکہ آپ کے مطابق اگر حرف علّت کا اضافہ کیا جائے تو دو حرف علت کا اجتماع لازم آئیگا ایک حرف علت برائے علامت امر غائب دوسرا علامت مضارع حالانکہ دونوں کا اجتماع باعث ثقل ہے۔ لِئَلَّا يَجْتَمِعَ حَرْفَا عِلَّةٍ لِاَحَدُهُمَا لِلْاَمْرِ الْغَائِبِ۔ الخ[2]

سوال امر حاضر معروف میں لام نہیں آتا ہے پھر مجہول میں کیوں آتا ہے؟

جواب علامہ عبدالحیٔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ کثرت استعمال کے سبب امر حاضر معروف میں تخفیف کی گئی ہے اور چونکہ مجہول قلیل الاستعمال ہے اس لئے اس میں تخفیف کی چنداں ضرورت نہیں[3]۔

---

[1] الحنفیہ ص۹۳، فلاح ص۷۷، تبیان ص۴۳ حاشیہ زنجانی ص۲۹ حاشیہ مراح ص۶۰ دہلی مراح وعزی ص۹ [2] الحنفیہ ص۹۴، فلاح ص۷۹ تبیان ص۴۳ حاشیۂ زنجانی ص۲۹ مراح وعزی ص۹ [3] تبیان ص۴۳

سوال امر غائب میں علامت مضارع حذف نہیں کیا جاتا جبکہ امر حاضر میں حذف ہوتا ہے آخر ایسا کیوں؟

جواب تاکہ امر غائب اور امر حاضر میں فرق واضح ہو جائے اس لئے ایسا کیا گیا۔ چنانچہ ابن کمال پاشا لکھتے ہیں: لِلْفَرْقِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَمْرِ الْغَائِبِ[1]

سوال امر حاضر میں علامت مضارع کا حذف کرنا کیوں متعین ہے۔ اس کے برعکس کرنے سے بھی فرق واضح ہو جاتا؟

جواب آپ کی بات کچھ عقل کو لگ رہی ہے کہ امر حاضر سے علامت حذف نہ کرکے امر غائب سے حذف کر دیا جاتا تب بھی فرق ہو جاتا لیکن آپ جانتے ہیں کہ امر حاضر کا استعمال غائب کے استعمال سے زیادہ ہے اور کثرتِ استعمال تخفیف کا موجب ہے۔ لہٰذا اس سے تخفیفاً حرفِ مضارع حذف کر دیا۔ بخلاف امر غائب کے اس کا استعمال اس طرح نہیں اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امر حاضر سے بھی حذف نہ کیا جائے تو لام کا اضافہ کرنا ضروری ہوگا تاکہ مضارع سے التباس نہ آئے اور جب لام شروع میں اضافہ کر دیا جائے گا تو بعض صورتوں میں التباس لازم آئے گا مثلاً لِتَضْرِبْ اس میں یہ نہیں معلوم کہ مامور مخاطب ہے یا غائب چنانچہ کثرتِ استعمال مخاطب تھا اس لئے حذف کر دیا۔[2]

سوال لام امر مکسور کیوں ہوتا ہے جبکہ حروف واحدہ میں فتحہ اصل ہے جیسے واوِ عطف ہمزہ استفہام وغیرہ۔

---

[1] فلاح ص۷۹ ۔ الحنفیہ ص۹۴

[2] حاشیہ مراح ص۶۱ الحنفیہ ص۹۴ فلاح ص۸۰

جواب اس لئے کہ لام امر صورتًا اور معنًا لام جارہ کے مشابہ ہے۔ صورتًا تو ظاہر ہے معنی اس طرح کہ لام جارہ کا اسم ظاہر پر داخل ہو کر جر دینا ہے اور لام امر کا افعال کو جزم دینا ہے۔ لہٰذا دونوں میں تضاد کی مناسبت پائی گئی۔ چنانچہ ایک ضد کو دوسری ضد کسرہ ہونے پر محمول کر لیا گیا۔ محشی زنجانی لکھتے ہیں کہ لام تاکید اور لام امر میں فرق کرنے کے لئے اوّل کو مفتوح اور ثانی کو مکسور کیا اس کے برعکس نہ کرنے کی علت یہ تحریر کرتے ہیں کہ عمل میں مناسبت ہے کیونکہ جزم افعال میں اسماء میں جر کی طرح ہے۔ لہٰذا جر کا عامل یعنی لام امر بھی مکسور ہوگا۔[۱]

سوال جب امر کی بات چل رہی ہے تو یہ بھی بتائیں کہ جزم فعل کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب اس لئے کہ فعل ثقیل ہوتا ہے لہٰذا تخفیف کا محتاج ہوا اور وہ ساکن ہے![۲]

فائدہ علامہ ابن ہشام اپنی گرانقدر تصنیف مغنی اللبیب میں تحریر کرتے ہیں کہ لام امر واؤ، فا، ثم کے بعد اکثر ساکن ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا۔ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ![۳]

سوال علامہ ابن ہشام نحوی کی بات اپنی جگہ سو فیصد درست لیکن یہ بتلائیے کہ واؤ۔ فا، وغیرہ کے دخول سے لام امر ساکن کیوں ہوتا ہے؟

جواب اپنے مابعد سے شدت اتصال کے باعث واؤ اور فا، اجزاء کلمہ کے مرتبہ میں ہے کیونکہ بغیر کلمہ کے اس پر وقف ممتنع ہے لہٰذا بنظر تخفیف کسرہ کو حذف کر دیا جیسا کہ فخذ بفتح الفاء بکسر الخاء کو بسکون الخاء تخفیفا کر دیتے ہیں![۴]

---

[۱] حاشیۂ زنجانی ص۲۹ حاشیہ مراح ص۶۱ [۲] تبیان ص۴۳ [۳] بحوالہ حاشیہ زنجانی ص۲۹

[۴] الحنفیہ ص۹۴ فلاح ص۷۹ تبیان ص۴۳ حاشیہ مراح ص۶۱

فعلِ نہی کے نکات

سوال فعل نہی کے لغوی معنی مستند لغات کی رو سے بتلایئے؟

جواب النہی بالفتح وسکون الہاء، صاحب لسان العرب وعلّامہ خلیل نحوی، علامہ جوہری کہتے ہیں کہ: خِلَافُ الْاَمْرِ یعنی فعل سے روکنے کو طلب کرنا۔ چنانچہ صاحب تاج العروس بھی ارقام فرماتے ہیں کہ اَلنَّهْیُ خِلَافُ الْاَمْرِ بمعنی روکنا امام سیبویہ نے زیادہ ابن زید العذری کا یہ شعر مستدل میں پیش کیا ہے:

اِذَا مَا انْتَهٰی عِلْمِیْ تَنَاهَیْتُ عِنْدَهٗ
اَطَالَ فَاَمْلٰی اَوْتَنَاهٰی فَاَقْصَرَا

میر سید شریف جرجانی التعریفات میں لکھتے ہیں کہ نہی امر کی ضد ہے یعنی کسی سے لَاتَفْعَلْ کہنا شیخ محمد اعلیٰ تھانوی اپنی اہم تصنیف کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں کہ نحویوں کی اصطلاح میں نفس صیغہ لَاتَفْعَلْ کا نام ہے اور صاحب دروس البلاغۃ کہتے ہیں کہ علیٰ وجہ الاستعلاء فعل سے روکنے کو طلب کرنا اسی تعریف کو صاحب کشاف نے عند الاصولیین واہل معانی کی قیود سے پیش کیا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ نہی کی پسندیدہ تعریف وہ ہے جس کو صاحب تبیان نے بیان کیا ہے کہ نفی فعل سے روکنے کو کہتے ہیں خواہ متکلم نے استعلاء کا قصد کیا ہو یا نہیں۔ البتہ ارباب اصول کے نزدیک نہی میں استعلاء ضروری ہے۔[1]

---

[1] کتاب العین جلد ۴ ص ۹۳، الصحاح جلد ۶ ص ۲۵۱۷، تاج العروس جلد ۲۰ ص ۲۷، کشاف اصطلاحات الفنون جلد ۲ ص ۱۴۳۹ لاہور، لسان العرب جلد ۱۴ ص ۳۱۲ التعریفات ص ۱۰۹ مصر تبیان ص ۴۷، کریم اللغات ص ۱۸۸ لاہور

سوال اس کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟

جواب فعل نہی وہ فعل ہے جس سے کسی کام کی ممانعت معلوم ہو۔[۱]

سوال صیغۂ نہی مذکورہ معنی اصلی کے علاوہ کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے؟

جواب صاحب دروس البلاغۃ لکھتے ہیں کہ چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے

① دُعا جیسے لَاتُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ دشمن کو مت خوش کیجئے۔

② التماس جیسے معاصرین سے کہا جائے:

لَاتَبْرَحْ مِنْ مَّکَانِكَ حَتّٰی اَرْجِعَ اِلَیْكَ

۳ تمنّی جیسے لَاتَطْلَعْ اس شعر میں

یَالَیْلُ طُلْ یَانَوْمُ زُلْ

یَاصُبْحُ قِفْ لَاتَطْلَعْ

ترجمہ: اے رات لمبی ہو، اے نیند دور ہو۔ اے صبح ٹھہر ابھی مت طلوع ہو۔

۴ تہدید دھمکانا جیسے کسی کا اپنے خادم سے کہنا لَاتُطِعْ اَمْرِیْ۔ اچھا میری بات مت مانو۔

سوال صرفیین نہی کی بحث کو کیوں موخر کرتے ہیں؟

سوال اول جواب یہ ہے کہ شرعی لحاظ سے امر کا درجہ پہلے ہے نہی کا بعد میں کیونکہ انسان اولاً متعلق ایمان کا مکلف ہوتا ہے اور جب ایمان سے مشرف ہوجاتا ہے تو نواہی سے اجتناب کا مکلف بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا امر کا مقام اوّل اور نہی کا ثانی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امر میں معنی وجود اور نہی میں عدمی شرف کے لحاظ وجود عدم پر مقدم ہوتا ہے![۲]

---

[۱] توضیح الصرف [۲] تبیان ص۴۷ دروس البلاغۃ

سوال صیغہ نہی فعل مضارع سے ہی کیوں بنایا جاتا ہے؟

جواب معنی استقبال کی مناسبت سے کیونکہ فعل نہی میں بھی زمانہ مستقبل اور مضارع میں بھی مستقبل۔

سوال لاء نہی فعل مضارع کے شروع میں کیوں آتا ہے؟

جواب تاکہ شروع کلام ہی معلوم ہو جائے کہ یہ کلام کی دوسری قسم ہے[1]!

سوال لاء نہی فعل مضارع کو جزم کیوں دیتا ہے۔

جواب اول جواب یہ ہے کہ حرف شرط سے اس لا کی مشابہت ہے کیونکہ حرف شرط معنئ مضارع کو استقبال کی طرف منتقل کر دیتا ہے اسی طرح لا نہی بھی تو چونکہ حرف شرط جازم ہے۔ لہٰذا لا نہی بھی جزم دے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ لاء نہی معنی مضارع کو کم کر دیتا ہے اس طرح کہ لاء نہی سے زمانۂ حال ختم ہو کر صرف استقبال باقی رہ جاتا ہے۔ لہٰذا نقصان معنی کے ساتھ اس کے لفظ میں بھی حرکت مفقود کر کے کمی کر دی گئی تاکہ نقصان لفظ نقصان معنی پر دلالت کرے

تیسرا جواب یہ ہے کہ لاء نہی امر کے مشابہ ہے کیونکہ لام امر طلب فعل کے واسطے ہوتا ہے اور لاء نہی برائے طلب ترک فعل۔ لہٰذا دونوں طلب میں۔ برابر کے شریک ہیں اس لئے لام امر کا سا عمل (جزم) کرے گا!

سوال نہی کے صیغے معرب ہوتے ہیں یا مبنی؟

جواب صاحب تبیان علامہ عبدالحئی لکھتے ہیں کہ فعل نہی معرب ہے کیونکہ معرب ہونے کی علّت اسم فاعل سے مشابہت تامہ ہے اور وہ اس میں موجود ہے۔ اس لئے معرب ہے[2]۔

---

[1] تبیان ص۴۷

[2] تبیان ص۴۷ تا ص۴۸

نفی اور نہی میں کیا فرق ہے؟

دونوں میں لفظاً ومعناً فرق ہے اس طرح کہ نفی کا اعراب مرفوع ہوتا ہے اور نہی کا مجزوم۔ معناً فرق یہ ہے کہ نفی میں کسی کام کے نہ کرنے کی خبر ضرور دی جاتی ہے اور فعل نہی میں کام کے نہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے احقر کی کتاب عمدۃ التحقیقات صفحہ ۶۵۔

تمّ الجزالاول بعون اللّٰہ الاوّل وسیاتیک الجزء الآخر بتوفیقہ الآخر (ان شاء اللّٰہ)

۸ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز شنبہ

محمّد ہارون ثاقب القاسمی بھاگلپوری (دریاپور)

حال مقیم

دار العلوم محمدیہ میل کھیڑلا بھرت پور

راجستھان



مصادر و مراجع

نمبر شمار	اسماء کتب	مجلدات	مصنفین کرام	سن وفات	مطبع
۱	اعرابُ القرآن	۱۵	محمود صافی	..	مدین
۲	اقربُ الموارد	۲	علّامہ سعیدُ الشرتونی	۱۳۳۰ھ	بیروت
۳	الاتقان	۲	علّامہ جلال الدّین سیوطی	۹۱۱ھ	لاہور
۴	الامالی	۱	محمّد سعید حسن کمال	..	قاہرہ
۵	البحر المحیط	۹	شیخ ابوحیان اندلسی	۷۴۵ھ	بیروت
۶	التبلیغ	۸	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۳۶۲ھ	انڈیا
۷	التفسیر الکبیر	۱۶	امام فخر الدّین رازی	۶۰۶ھ	طہران
۸	الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند	۱	عبدُ الحیّ حسنی	۱۳۴۱ھ	انڈیا
۹	الجامع لاحکام القرآن	۱۱	ابوعبدُاللہ انصاری قرطبی	۶۷۱ھ	بیروت
۱۰	الحنفیہ	۱	علّامہ مہدی	..	انڈیا
۱۱	الصحاح	۶	علّامہ جوہری	۳۹۳ھ	بیروت
۱۲	العرف الشذی	۱	علّامہ محمّد انور شاہ کشمیری	۱۳۵۲ھ	انڈیا
۱۳	القواعد الاساسیہ	۱	سیّد احمد ہاشمی	..	بیروت
۱۴	الکشاف	۴	علّامہ جاراللہ زمخشری	۵۳۸ھ	بیروت
۱۵	النفحۃ العنبریہ	۱	قاری ابوالحسن صاحب	..	انڈیا
۱۶	النھایۃ	۵	ابنِ اثیر جزری	۶۰۶ھ	ایران

نمبر شمار	اسماء کتب	مجلدات	مصنفین کرام	سن وفات	مطبع
۱۷	الھدیۃ المختاریہ	۱	ابوالحسنات عبدالحیؒ	۱۳۴۱ھ	انڈیا
۱۸	امام ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات	۱	مولانا عبدُالقیوم حقّانی	..	انڈیا
۱۹	تفسیر ابی السعود	۴	امام ابوسعود محمّد بن محمّد العمادی	۹۵۱ھ	بیروت
۲۰	تفسیر البغوی	۴	ابومحمّد الحُسین بن مسعود لغوی	۵۱۶ھ	بیروت
۲۱	تفسیر بیضاوی	۴	قاضی ناصرالدّین بیضاوی	۶۸۵ھ	انڈیا
۲۲	تبیان	۱	عبدالحیؒ بن عبدالحلیم فرنگی	۱۳۰۴ھ	انڈیا
۲۳	حاشیۃ الخُضری	۱	محمّد خضری	..	انڈیا
۲۴	حاشیہ شیخ زادہ	۴	محمّد بن مصلح الدّین شیخ زادہ	۹۵۱ھ	استنبول
۲۵	حاشیہ مراح الارواح	۱	محمّد سعید	..	انڈیا
۲۶	حاشیۂ مطول	۱	حسن چلپی		انڈیا
۲۷	درایۃ النحو	۱			انڈیا
۲۸	درس ترمذی	۳	مولانا تقی عثمانی	..	انڈیا
۲۹	دروس البلاغۃ	۱	محمّد حفنی ناصف	۱۳۳۷ھ	انڈیا
۳۰	تاج العروس	۲۰	محمد مرتضیٰ زبیدی	۱۲۰۵ھ	بیروت
۳۱	تاریخ نحو ونحویین	۱	راقم سطور ہارون ثاقب	..	انڈیا
۳۲	زنجانی	۱	ابراھیم زنجانی	۶۵۵	انڈیا
۳۳	سوال کابلی	۱	محمّد عُمر کابلی	..	پشاور
۳۴	شرح الکفراوی	۱	اسماعیل بن موسیٰ مالکی		انڈیا
۳۵	شرح المفصّل	۲	ابن یعیش نحوی	۶۴۳	قاہرہ
۳۶	شرح رضی (کافیہ)		رضی الدّین استرآبادی	۶۸۶	بیروت

نمبر شمار	اسماء کتب	مجلدات	مصنفین کرام	سنِ وفات	مطبع
۳۷	شرح شافیہ	۴	رضی الدّین استرآبادی	۶۸۶ھ	بیروت
۳۸	شرح قطر الندیٰ	۱	ابنِ ہشام نحوی	۷۶۱ھ	انڈیا
۳۹	صرف میر	۱	میر سیّد شریف جرجانی	۸۱۶ھ	انڈیا
۴۰	عمدۃ التحقیقات	۱	راقم سطور ہارون ثاقب	. .	انڈیا
۴۱	غایۃ البیان	۱	عبدالرحیم صفی پوری	۱۲۶۷ھ	انڈیا
۴۲	غیاثُ اللغات	۱	غیاث الدّین رامپوری	۱۲۶۱ھ	کراچی
۴۳	فصول اکبری	۱	علی اکبر الٰہ آبادی	۱۰۹۰ھ	انڈیا
۴۴	فلاح	۱	ابنِ کمال	. .	انڈیا
۴۵	فوائد ضیائیہ	۱	ملّا عبدُالرحمٰن جامی	۸۹۸ھ	انڈیا
۴۶	کتابُ التعریفات	۱	میر سیّد شریف جرجانی	۸۱۶ھ	مصر
۴۷	کتابُ العین	۸	خلیل فراہیدی نحوی	۱۷۵ھ	مصر
۴۸	کتاب شذا العرف	۱	شیخ احمد الحملاوی	۱۳۵۱ھ	مصر
۴۹	کشاف اصطلاحات الفنون	۲	قاضی محمّد اعلیٰ تھانوی	۱۱۹۱ھ	لاہور
۵۰	کشف الظنون	۲	مورخ کاتب چلپی	۱۰۶۷ھ	بیروت
۵۱	کوکبُ المنیر	۱	مولانا ابوالحسن بن کوثر علی	. .	انڈیا
۵۲	لِسانُ العرب	۱۸	ابنِ منظور	۷۱۱ھ	بیروت
۵۳	مراح وعزی	۱	احمد بن علی استانبولی	. .	ترکی
۵۴	مفتاح السعادہ	۳	طاشکبریٰ زادہ	۹۶۸ھ	انڈیا
۵۵	مفردات القرآن	۱	علاّمہ راغب اصفہانی	۴۲۵ھ	دمشق